هو الذي أنزل عليك الكتاب منه آيات محكمات

آل عمران : ۷

خطباتِ افغانی رحمہ اللہ تعالیٰ

شیخ الاسلام محقق العصر حضرۃ علامہ سید شمس الحق افغانی

نور اللہ مرقدہ

مرتبہ

عبد الغنی عفا اللہ عنہ

مکتبہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ

شاہی بازار ، بہاولپور

جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ ہیں

نام کتاب	خطباتِ افغانیؒ
افادات	حضرت علامہ سید شمس الحق افغانیؒ
ناشر	مکتبہ سید شمس الحق افغانی، شاہی بازار بہاول پور
کمپیوٹر کمپوزنگ	محمد ذکاء الحسن، بہاول پور
	موبائل: 0321-6804318
مطبع	
قیمت	

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	پیش لفظ ۔	
۱	مقصد حیات ۔	۱
۲	فسادات عہد حاضر اور انکا حل ۔	۱۵
۳	امیر کی صفات ۔	۲۷
۴	حکومت کا ڈھانچہ ۔	۴۵
۵	حدود المشورہ ۔	۵۴
۶	جہاد ۔	۶۰
۷	زندگی متحرک ہے ۔	۶۹
۸	انسانی زندگی کی کوششوں کا جائزہ ۔	۷۸
۹	نبوت کا اصلی وحتمی مقصد ۔	۸۹
۱۰	فلسفہ حج بیت اللہ ۔	۱۰۱
۱۱	ضرورت تعلیم وتبلیغ ۔	۱۱۳
۱۲	اتحاد بین المسلمین ۔	۱۲۸
۱۳	جوزف کراف کے اعتراض کا جواب ۔	۱۳۳
۱۴	مشینی ذبیحہ ۔	۱۵۴
۱۵	ثقافت کی وضاحت ۔	۱۶۴
۱۶	عقل کی اہمیت ۔	۱۷۵
۱۷	اصلاح معاشرہ ۔	۱۹۴

پیش لفظ

قارئین کرام! اس کتاب (خطباتِ افغانیؒ) کی یہ دوسری بار اشاعت ہے۔ پہلی اشاعت میں خطبات کے علاوہ (مقدمہ دروس القرآن) کے گیارہ دروس اور (واقعات) شامل تھے۔ اس مرتبہ صرف (۱۷) خطبات پر کتاب شائع کی گئی ہے۔

(مقدمہ) کے گیارہ دروس کو (دروس القرآن الحکیم) کی پہلی جلد کے ساتھ شامل کیا گیا ہے جبکہ (واقعات) کو (مجالس افغانی) کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔

بندہ: عبدالغنی عفا اللہ عنہ

۶ شوال المکرم ۱۴۲۶ھ

۹ نومبر ۲۰۰۵ء

خطبہ نمبر ۱

مقصدِ حیات

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ۔ برادرانِ اسلام جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں توسیع تقاریر کا سلسلہ قائم کیا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کے حقائق جو ہم سے پوشیدہ ہو گئے ہیں انہیں پھر سے راسخ کیا جائے۔

انسان کا مقصدِ حیات!

یہ خالص انسانی مسئلہ ہے۔ انسان کے لیے اس سے اور کوئی مسئلہ اہم نہیں سب سے پہلے تین چیزوں پر غور کرتے ہیں (۱) انسان (۲) زندگی (۳) مقصدِ حیات

انسان۔ مقامِ انسان دنیا کے عجائبات میں سے اس سے زیادہ عجیب کوئی واقعہ نہیں کہ آجکل کے ترقی کے دور میں انسان نے سب چیزوں کو جانا اور پہچانا۔ مگر خود (انسان) کو نہ جانا اور نہ پہچانا۔ نیچے سے اوپر تک پوری کائنات کو چھان مارا ہے۔ بے شمار تجربے کیے۔ تاکہ کائنات کا علم حاصل ہو۔ مگر خود انسان کو نہ جانا۔ اگر ہماری تمام یونیورسٹیاں اور پروفیسر صاحبان کائنات کے سب علوم وفنون کو حل کر لیں اور خود انسان کے مسئلے کو حل نہ کر سکیں تو ان کا کیا فائدہ؟ بعض علوم بنیادی اور بعض غیر بنیادی حقیقت سے تعلق رکھتے ہیں۔

انسانی معرفت!

انسانیت کا بنیادی مسئلہ ہے اور جو بنیادی مسئلہ کو نہ جانے تو وہ فضول ہے۔

فرض کریں کہ ایک رئیس اعظم شخص کا ایک بیٹا ہے۔ اس نے قتل کیا۔ اس پر ۳۰۲ کے تحت قتل عمد کا مقدمہ ہو گیا۔ سیشن نے سزائے موت دی۔ اپیل کی معیاد میں ایک ہفتہ رہ گیا۔ تو والدین کو خیال ہوا کہ اب ایک منٹ بھی ضائع نہ کیا جائے اور ہائی کورٹ میں اپیل دائر کر دی جائے۔ تو یہ رئیس جب لاہور جاتا ہے تو لاہور میں تو بہت سی دلکش چیزیں ہیں۔ مثلاً شالامار باغ، شہنشاہوں کے مقبرے، کالج یونیورسٹیاں، لائبریریاں، اخبارات کے مراکز وغیرہ وغیرہ یہ رئیس لاہور کے باغ و بہار اور دلکش مناظر میں اتنا مصروف ہو جاتا ہے کہ پورا ہفتہ گزر جاتا ہے۔ اپیل یاد ہی نہ رہی۔ تو اپیل خارج ہو جاتی ہے۔

واپس آتا ہے تو بیوی پوچھتی ہے کہ کیا کر آئے ہو۔ سارا حال سناتا ہے کہ فلاں اداروں میں گیا۔ بہت سی معلومات حاصل کیں۔ صوبائی اسمبلی میں گیا وہاں مختلف پارٹیوں کے ممبروں سے بات چیت ہوئی وغیرہ بیوی کہتی ہے بیوقوف اپیل بھی کی کہ نہیں؟

ہمارا بھی یہی حال ہے کہ ہم نے مختلف ادارے چھان مارے اور یہ بھول گئے کہ انسان کیا ہے اس کا مقصد کیا ہے۔ بعینہ اسی طرح جس طرح وہ رئیس اپیل کرنا بھول گیا۔

اگر اس رئیس کو کوئی دانا کہتا ہے۔ تو پھر ہم بھی دانا ہیں۔ ہم غیر بنیادی چیزوں میں مصروف رہے اگر وہ رئیس لاہور میں صرف اپیل دائر کرتا اور کچھ بھی نہ کرتا تب بھی ٹھیک ہوتا۔ کیونکہ اس نے اپنا مقصد پورا کیا۔

اس وقت یورپ۔ امریکہ اور چین وغیرہ سب اسی میں مبتلا ہیں۔ جن کی کھوپڑی میں غلامی ہے وہ غیر حقیقی چیزیں دیکھتے ہیں۔ آج ہم ان کے ہاتھ میں جانور بن کر رہ گئے ہیں۔

جانور کی زندگی اس لیے ہے کہ وہ ہماری یعنی انسان کی زندگی پوری کریں۔ مطلب یہ کہ انسان کی خدمت کریں اور ہمارا یعنی انسان کا فرض ہے کہ ہم ان کی زندگی پوری کریں۔ مطلب یہ کہ ہم ان کی ضروریات زندگی میسر کریں۔

آجکل یورپ اور امریکہ نے ہمیں جانور بنا رکھا ہے۔ وہ ہم سے اپنی خدمت لے رہے ہیں۔ اور ہمیں جانور کی طرح زندگی بسر کرنے تک رکھا ہے۔ آج تو بس مال کو دیکھتے ہیں۔ حقیقت کو نظر انداز کیا جا رہا ہے مالدار جو کچھ کہہ دے وہ حرف آخر ہے اور وہی مقصد بنا رکھا ہے۔ چاہے دین کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ یورپ اور امریکہ چونکہ مالدار ہیں اس لیے ان کے پاس جو کچھ ہے وہ حقیقت ہے اور علماء حق کے پاس جو کچھ ہے وہ غلط ہے؟ یہ سب دین کی دوری کی وجہ سے ہے۔

دیکھو جو بادشاہ کے تاج کا ہیرا ہو وہ اگر تاج کی بجائے خاکستر میں ہو تو بھی ہیرا ہے اور بکری کی مینگنی کو اگر سورج پر رکھ دیا جائے تو کیا قیمت میں فرق پڑ جائے گا؟ نہیں ہیرا ہیرا ہے اور مینگنی مینگنی ہے۔ خواہ گورنمنٹ ہاؤس میں ہو اور خواہ خاک میں ہو۔ حقیقت اگر کمزور اور غریب طبقے میں ہو وہ تب بھی حقیقت ہے۔ حقائق۔ حقائق ہوتے ہیں وہ کسی صورت نہیں بدلتے دولتمند کے ۲×۲=۵ درست اور غریب کے ۲×۲=۴ غلط۔

تو پہلی چیز ہے انسان کو جاننا۔ کہ انسان کیا چیز ہے۔ انسانیت کا نکاتی شرف کی سرحد کی آخری چیز ہے۔ فلسفہ اور عقل کی بنیاد پر کائنات میں کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ ان

میں وجود کے سوا کوئی کمال نہیں۔

نمبر۱۔ جیسے پہاڑ کی ہستی ہے اور زمین کی ہستی ہے۔ ان کا وجود ہے مگر ان میں نشو ونما نہیں۔ جمادات میں کوئی نشو ونما نہیں۔

نمبر۲۔ زمین سے اُگنے والی چیزیں۔ درخت و پودے وغیرہ ان کی ہستی یعنی وجود بھی ہے اور نشو ونما بھی ہے مگر ان میں حرکتِ ارادی نہیں۔ یہ کائنات کا نباتی مقام ہے۔

نمبر۳۔ حیوانی مقام۔ حیوانات میں وجود یعنی ہستی نشو ونما حرکتِ ارادی اور شعور بھی ہے۔ ان پر حملہ کیا جائے تو انہیں دکھ دکھ ہوتا ہے۔

نمبر۴۔ حیوانات کے آگے انسان ہے۔ اس میں پچھلی گذشتہ تینوں مخلوقات کی صفات موجود ہیں۔ یعنی وجود۔ نشو ونما۔ حرکتِ ارادی اور شعور سب کچھ ہیں۔ ان کے علاوہ عقل اور فکرِ آخرت اور تصورِ ماضی اس میں موجود ہے۔ فکرِ مستقبل اور تصورِ ماضی انسان میں ہے۔ انسان نے۔ ریاضی۔ تاریخ۔ طب وغیرہ جیسے سینکڑوں علوم عقل کے ذریعے پیدا کئے۔ اس میں تصورِ ماضی بھی ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص کی ماں ایک سال پہلے مرگئی ہو۔ تو جب اس کا تصور کرتا ہے۔ تو دل مغموم ہوتا ہے۔ یہ علامت کسی جانور میں نہیں پائی جاتی۔

فکرِ مستقبل یعنی انجامِ ہستی۔ انسان جب بھی کوئی کام کرتا ہے تو پہلے اس کے نتیجے کو سوچتا ہے یہ اس کی فطرت کی آواز ہے۔ ہم نے انسان کو اس قدر جانا کہ الحی کائنات میں آخری سرحد پر اس کا مقام ہے۔

اس حقیقت کو قرآن نے بیان کیا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ کہ کائنات عالم میں انسان کی بہترین ساخت ہے اور اسے وہ شرافت بخشی ہے جو اور کسی کو نہیں بخشی۔

دوم مقصد کے متعلق ایک بات سمجھیں۔ انسان نے مختلف چیزوں کا مقصد سمجھا مگر اپنا مقصد نہ سمجھا۔

انسان کو انسانیت کا مقصد معلوم ہے؟ اور مقصد انسان اس کے ساتھ پیوست ہے۔ مگر اوروں کی کائنات جانتا ہے اور اپنا پتہ نہیں۔ مثال نیند میں سوئے ہوئے خوابیدہ اور خواب میں کس قدر گہرا تعلق ہے۔ وہ خواب میں عجیب وغریب واقعات دیکھتا ہے۔ لیکن سونے والے کو یہ معلوم نہیں کہ وہ سویا ہوا ہے۔ جب وہ سو کر اٹھتا ہے تو تب سمجھتا ہے کہ خواب تھا۔ انسان نے اور چیزوں کے مقصد کو تو جانا۔ مگر اپنے مقصد کو نہ جانا۔

ہم اگر کسی کے مقصد کو متعین کرنا چاہیں تو ہمارے پاس کیا معیار ہونا چاہیے۔

پہلا یہ ہے کہ وہ پوری کائنات سے بلند تر ہو۔ حیوانات۔ جمادات۔ نباتات اور سیارگان کی زندگی کے مقصد ان سب سے بلند تر ہو۔ جو چیز اوپر ہے۔ اس کا مقصد بھی اوپر ہے۔

مثلاً ہاتھ۔ پاؤں۔ دماغ۔ یہ سب انسان میں پائے جاتے ہیں۔ مگر دماغ کا مقام اوپر ہے اور باقی سب اس سے نیچے ہیں۔ تو جو اوپر ہے اس کا کام بھی اوپر ہے۔ علوم وفنون اور معارف کا مقام دماغ ہے۔ گھوڑا گدھے سے بلند ہے اس کا مقصد بھی بلند ہے۔

پہلا معیار!

پہلا معیار یہ ہے کہ وہ حیوانی مقصد نہ ہو۔ بلکہ بلند مقصد ہو۔ تاکہ وہ بلندی سے گر کر پستی میں نہ جا پڑے۔

دوم!

انسانی زندگی کا جو مقصد ہو اس میں انسانی زندگی اور ضروریات زندگی موجود ہونی چاہیے یعنی بقائے حیات کا سامان ہونا چاہیے دیکھو ہمارے ملک میں کارخانے لگائے جاتے ہیں۔ مثلاً چینی کا کارخانہ جسے ہم شوگرمل کہتے ہیں تو انسان کو بھی چینی کے کارخانے کی طرح ایک قیمتی مشین سمجھو۔ تو کارخانہ قائم کرنے کے لیے پہلے زمین کی ضرورت ہوگی۔ پھر عمارت ہو جہاں پر مشین فٹ کی جائے۔ پھر سٹاف یعنی عملہ کے رہنے کے لیے مکان درکار ہیں۔ ان کے بچوں کی تعلیم کے لیے سکول ہو۔ اور مریضوں کے لیے ہسپتال ہو۔ سیر و تفریح کے لیے گراؤنڈ ہوں۔ عبادت کے لیے مسجد ہو۔ مشین کی مرمت کے لیے فاضل پُرزہ جات اور کاریگروں کا عملہ ہو۔ پھر کام کرنے والا عملہ بھی ہو۔ یہ چیزیں ہوں تو کارخانہ قائم ہو سکتا ہے۔

اب اگر کوئی کہے کہ اس کارخانے کی مشین کا مقصد کیا ہے۔ کوئی کہے کہ موجودہ سٹاف مقصد ہے۔ اور کوئی کہے کہ یہ عمارت مقصد ہے۔ وغیرہ۔ یہ ضروریات مشین تو ہیں مگر مشین کا مقصد نہیں۔

مقصد وہ ہوگا کہ جسے پہلے متعین کیا گیا ہوگا۔ اور مشین کا مقصد وہ ہوگا جس کو مشین ہی پیدا کرے۔ اور وہ چینی ہے۔ یہاں انسانی عقل کو ٹھوکر لگتی ہے۔ وہ اس معیار کو نہیں سمجھتا کہ وہ تو متعلقات مشین ہیں۔ مقصدِ مشین تو نہیں مشین کا مقصد تو وہ ہے جسے خود مشین پیدا کرے۔ جس کے لیے مشین کو لگایا گیا ہے۔

انسان کے لیے اس کی پیدائش سے پہلے زندگی کے لیے سب متعلقات موجود ہونے چاہیں۔ زمین، غذا سب سے پہلے موجود ہو کہ حضرتِ انسان تشریف لا رہے

ہیں۔ اس کے رہنے اور غذا کے لیے سب چیزیں موجود ہوں۔ انسان فطرتی طور پر ایک حالت سے اکتا جاتا ہے۔ اس کے لیے انتظام میں خوبصورتی بھی ہو۔ اس لیے دنیا میں خوبصورتی اور تزئین کا سامان موجود ہے۔ فطرت کو زینت بھی مقصود ہے۔ سب حاجتیں مقصود ہیں۔ معدنیات میں سونا چاندی وغیرہ اور پٹرول وغیرہ سب کچھ موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صرف حاجت روائی پر قناعت نہیں کی۔ بلکہ اس کی وسعت کا انتظام کیا۔ لعل اور زمرد وغیرہ تک موجود ہیں نباتاتی انتظام بڑی وسعت سے بنایا۔ غلے اور پھل وغیرہ علاج کے لیے دوائیں پیدا کیں۔ اگر انسان کی ضروریات کے لیے اللہ تعالیٰ بوٹیاں پیدا نہ کرتا تو سب کچھ فیل ہو جاتا۔ لیکن صرف ان ضروریات پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ کئی قسم کے پھول پیدا کیے۔ ان کی کیا ضرورت تھی۔ یہ زینت کا سامان ہوا۔ حیوانات کے متعلق مختلف چیزیں پیدا کیں۔ انسان کی خوراک کے لیے گوناگوں حیوانات اور پرندے پیدا کیے۔ رات کو ستاروں سے خوبصورت بنایا۔ تاکہ انسان کے لیے زینت ہو۔ آفتاب کی روشنی جو دن کو زمین پر پڑتی ہے۔ اگر اس کی قیمت لگائی جائے تو ساری کائنات بھی ادا نہیں کر سکتی۔ یہ کل چیزیں متعلقاتِ انسان ہیں۔ انسان کا مقصد نہیں۔

حیاتِ انسانی کیا چیز ہے!

حیاتِ انسانی کیا چیز ہے؟ وہ زندگی کی پوری سرحدیں۔ ہماری زمین ہی ایک ہے۔

پہلا درجہ!

پہلا درجہ یہ ہے کہ اس کی زندگی کی پوری نشوونما ہو۔ جیسے زمین سے اگنے والی چیزیں۔

دوسرا درجہ!

دوسرا درجہ زندگی کا دوسرا درجہ حیوانی ہے۔ کہ اس میں نشوونما اور ارادی حرکت ہے۔

تیسرا درجہ!

تیسری چیز تصور ماضی اور فکرِ مستقبل ہے۔ ریاضی کے اصول کے مطابق دو میں ایک کا شامل ہونا اور تین میں دو کا اسی طرح چار میں تین کا شامل ہونا ضروری ہے۔ یعنی۔ دو جب بنے گا جب اس میں نمبر ا شامل ہو اسی طرح ۳ اور ۴ تو پہاڑوں اور زمین کی طرح انسان میں جمادی زندگی بھی ہے مثلاً جسم اور نباتی زندگی بھی ہے مثلاً نشوونما اور حیوانی زندگی بھی ہے۔ مثلاً نشوونما کے ساتھ حرکت ارادی بھی ہے۔ اور شعور بھی ہے۔ اب اگر یہاں تک ہے تو یہ چیزیں تو حیوان میں بھی ہیں۔ بلکہ وہ ہم سے آزاد ہے اور بے فکر ہے۔ معلوم ہوگیا کہ یہ چیزیں مقصد نہیں۔ ان میں تو حیوان بھی شریک ہے۔ مقصد کوئی اور ہے تو تصور ماضی اور فکرِ آخرت بھی ہے۔

صداقت اور سچائی ایک عجیب شان ہے۔ جب تک وہ سامنے نہیں آتی تو دنیا کا مسئلہ مشکل ہو جاتا ہے لیکن جب وہ سامنے آجاتی ہے تو دنیا کا مسئلہ آسان ہو جاتا ہے۔ اسلام سے قبل انسان کو کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ مگر اسلام آنے کے بعد یہ مسئلہ سمجھنا آسان ہوگیا۔

دورِ حاضر میں اٹلی میں ایک کانفرنس ہوئی کہ انسانی زندگی کا مقصد کیا ہے۔ یہ یونان کے دار السلطنت میں ہے۔ وہاں کل اولادِ آدم نے یہ مسئلہ حل کرنا چاہا۔ یعنی یونان کے دار السلطنت میں زندگی کے مقصد کا مسئلہ پیش کیا گیا۔ جدید دنیا کا حل ۹۰ فیصدی کا

اس پر عمل ہے۔ ماشاء اللہ سب نے ملکر ایک بات کام کی حل کرلی۔

(بیان کیا کہ اگر کسی چیز میں مقصدیت نہ ہو تو وہ چیز جاہلیت ہے) دیوانہ بھی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ اور کبھی بھاگتا ہے۔ کبھی ایک جگہ کھڑا ہوتا ہے اور کبھی دوسری جگہ۔ اس کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ (مقصد پر مشتمل کارنامہ عاقل کا کارنامہ سمجھا جاتا ہے)

اگر انسان کا مقصد نہ ہو تو بے مقصد کام کا کوئی فائدہ نہیں تمہارا یہ خیال ہے کہ انسان کو بے مقصد پیدا کیا گیا ہے۔ مقصدِ حیات کے لیے تمہیں ہماری درسگاہ میں جواب لینے کے لیے آنا پڑے گا۔

خدا تعالیٰ کا کام انسانی حکومت کے کام سے مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً دنیا میں روزانہ ڈیڑھ لاکھ آدمی مرتے ہیں اور آخرت میں انہیں بسایا جاتا ہے۔ دنیا کی زندگی کا پردہ ہٹا کر آخرت کی زندگی میں انہیں ڈال دیا جاتا ہے۔ مرنے کے بعد اس کے بھائی اور دوست وغیرہ دفن کرنے کا انتظام کرتے ہیں کہ جلد از جلد قبر میں پہنچادیں۔ اگر ڈیڑھ لاکھ آدمی کے دفن کے لیے عملہ رکھا جائے تو کتنا خرچ درکا ہوگا۔ اور انسانی حکومت کی تلاش سے تو لوگ بھاگ بھی جاتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کے پاس خود بخود چالان ہو کر پیش ہو جاتا ہے۔

یونان والوں نے ماشاء اللہ یہ بات تو ٹھیک ہی کہی۔ اس سے آگے اور کوئی مقصد متعین نہ کرسکے۔ حکماء یونان یہ فیصلہ کیا کہ انسان کی تخلیق اس لیے ہوئی ہے کہ وہ ہمیشہ ہی لذت حاصل کرے اور اَلم و دکھ سے بچے یعنی عین لذت اور اجتناب اَلم۔ یہ فیصلہ حکماء نے تین ہزار سال پہلے کیا تھا اور تین ہزار سال بعد یورپ کے فلاسفروں نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے۔ جاہلیت اولیٰ اور جاہلیت ثانیہ میں کوئی فرق نہیں۔

اسلامی نظریہ تنقید!

یہ مقصد تو غلط ہے۔ لذت خوراک سے حاصل ہوتی ہے۔ اُلم کی موافقت کا انتظام پوری زمینی کائنات سے ہے تو زمینی صفات کو انسانی زندگی سے وابستہ کیا۔ شوگر کی زندگی کا مقصد اس سے مختلف نہیں۔ اس سے انسان کا مقام شرف زخمی ہوا۔ اگر مزہ اور دکھ سے بچنا مقصد ہے تو فلسفہ یونان اور یورپ کا بھی مقصد قائم تھا۔ انسان کی شرافت جانوروں سے کم تر نہیں ہونی چاہیے۔

غم جانور کو بھی ہوتا ہے۔ جس کا احساس زیادہ ہوگا اس کا غم بھی زیادہ ہوگا یہاں پر تو احساس جانوروں سے بہت زیادہ ہے۔ ان میں تصورِ ماضی بھی نہیں۔ وہ مرنے کا علم بھی نہیں رکھتے اور اسی میں اس کو کوئی فکر عاقبت بھی نہیں کہ آئندہ گھاس ہونی چاہیے۔ مگر انسان کا شعور شروع سے لیکر اب تک زندہ ہے مثلاً صاحب تخت کو زوال تخت کا ڈر ہے۔ اور صاحب مال کو مال کا ڈر۔ دوست کوئی خوشی پیدا نہیں کر سکتے۔ دولت کے باوجود بادشاہ کے دشمن سب سے زیادہ ہوتے ہیں تو کل انسانی آبادی مقصدِ حیات کو حل نہ کر سکی۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم (امی) نے یہ مسئلہ حل کر دیا کہ انسان کی تخلیق کا مقصد عبادت الہی ہے۔

کائنات انسان کے لیے اور انسان اللہ تعالیٰ کے لیے۔ گھاس گھوڑے کے لیے گھوڑا مالک کے لیے۔ ڈرائیور موٹر کے لیے اور موٹر مالک کے لیے۔ کارخانہ جہان عبادت کا کارخانہ ہے اور یہ چیزیں اس کارخانہ شوگر مل کی طرح ہیں۔

کارخانے کا اصل مقصد عبادتِ خدا ہے۔ اور اس کے متعلق سارے سامان پیدا کیے اور اس کے لیے آسمان و زمین اور سمندروں میں سب انتظام کیے۔

مقصدِ حیات کے اعتبار سے قیمت میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ عمدہ مشین وہ ہوتی ہے جو زیادہ چیز تیار کرے اور اگر ایک چھٹانک بھی تیار نہ کرے تو مشین بیکار ہے۔ تو وہ سٹاف کے رہنے کے لیے مکانات، عبادت کے لیے مسجد، تفریح کے لیے گراؤنڈ، تعلیم کے لیے سکول، علاج کے لیے ہسپتال، خرید و فروخت کے لیے دکانات وغیرہ سب فضول اور بیکار ہوئے۔ یہ کائنات کا کارخانہ سب کا سب انسان کے لیے ہے۔ اور انسان رب العزت کے لیے۔ گویا انسان چینی تیار کرنے والی مشین ہوئی۔ اب اگر مشین سے ایک چھٹانک بھی چینی نہ نکلے تو مالک اس کارخانہ کو توڑ دے گا۔ ختم کر دے گا۔ کیونکہ وہ مقصد پورا نہیں کر رہا۔ تو یہ سب متعلقات مشین برباد ہو جائیں گی رونق ویرانہ میں بدل جائے گی۔

اسی طرح جب تک زمین پر ایک بھی عبادت گزار ہوگا۔ چینی نکل رہی ہوگی۔ مقصد پورا ہو رہا ہوگا۔ تو دنیا و مافیہا قائم رہیں گی۔ ورنہ متعلقات مشین کی طرح اللہ تعالیٰ سب کچھ تباہ و برباد کر دے گا۔

آج مغرب سے متاثر حضرات کہتے ہیں کہ مولوی کی کیا ضرورت ہے۔ علماء کے دم سے جہان قائم ہے۔ اور یہ تمہاری دنیاوی ٹھاٹ بھاٹ سب علماء کی مرہونِ منت ہے۔ ورنہ آدھی چھٹانک چینی نہ تو نکلے کارخانہ کائنات برباد کر دیا جائے گا۔ کم قیمت کی چیز ڈالنے سے زیادہ قیمت کی چیز نکلے تو پھر کارخانہ کا فائدہ ہے۔ مثلاً کپاس ڈال کر اس سے کپڑا لینا جو کپاس سے قیمتی ہے۔ یا گنا ڈال کر چینی لینا جو گنے سے زیادہ قیمتی ہے۔

عبادت کے سلسلے میں بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں دو حیوانی صفتیں۔ شہوت۔ اور غضب پیدا کی ہیں اور ان دونوں کو عقل کے تابع بنایا۔ اور عقل کو شریعت یا وحی کے تابع بنایا۔

بندگی کا مقصد یہ ہے کہ اس کی پوری زندگی اللہ تعالیٰ سے جڑ جائے۔ یہ دونوں صفتیں یعنی خواہش اور غصہ یا شہوت یا غضب فنا نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس میں حکمت رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی چیز حکمت سے خالی نہیں۔ انسان میں فطرتی طور پر یہ مادہ ہے کہ نمبر ۱ نفع حاصل کرے، نمبر ۲ مضرتوں کو دفع کرے۔

تو اللہ تعالیٰ نے نفع حاصل کرنے کے لیے انسان میں شہوت و خواہش کا مادہ پیدا کیا۔ اور مضرتوں کو ہٹانے کے لیے غضب اور غصہ کا مادہ پیدا کیا۔

اسلام ازالہ نہیں چاہتا بلکہ امالہ۔ کہ رخ پھیرنا چاہتا ہے۔ کہ انسان خواہش کے مادہ سے اچھی چیز کی طلب کرے۔ بُری چیز کی طلب نہ کرے۔ اور غضب و غصہ سے مضرت کا دفاع کرے نہ کہ ظلم و ستم کرے۔ مثلاً بیوی کی خواہش پیدا کی۔ تو انسان سے کہا کہ زنا چھوڑ کر نکاح کرلو۔ سود چھوڑ کر تجارت کرلو وغیرہ۔ تو غصہ کی کیفیت سے دشمن کا دفاع کرو۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے دس سال برابر صحابہ کرامؓ کو جہاد میں مصروف رکھا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے عرض کی کہ صحابہ کرامؓ کا وجود اسلامی زندگی کے لیے ہے آپ انہیں فارغ نہیں ہونے دیتے فرمایا۔ جب صحابہ کرامؓ جہاد پر جاتے ہیں تو باقی لوگ بھی جائیں گے۔ اگر انہیں غیروں سے مصروف نہ رکھا تو یہ آپس میں لڑیں گے۔

دیکھو ایک حج سے دوسرے حج تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ مگر حکم ہے کہ صبح کی نماز کے بعد زمین میں روزی کی تلاش میں پھیل جاؤ۔ معلوم ہو گیا کہ رب العزت انسان کو مصروف رکھنا چاہتا ہے۔ بیکار نہیں رکھنا چاہتا۔ اگر بیکار رہے گا تو آپس میں لڑیں گے۔ لڑائی بیکاروں کی چیز ہے۔ باکار نہیں لڑتے۔ ہم مولوی اگر لڑتے ہیں تو بیکاری وجہ ہے۔

اسلام میں اختلاف رہا ہے۔ اختلاف کو اسلام بُرا نہیں جانتا۔ مگر مخالفت کو بُرا جانتا ہے۔ صحابہ کرامؓ میں اختلاف تھا مگر فروعی چیزوں میں جو لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قریب تھے۔ انہوں نے اختلاف کو لڑائی کا مقصد نہیں بنایا۔ پوری تاریخ میں مذہبی فروعات میں ایک لڑائی بھی نہیں ہوئی۔ شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں میں جو غصے کی طاقت ہے وہ قوم اور ملت کے دشمنوں میں یا شیطان کے دفع کرنے میں صرف ہونی چاہیے۔

تمام صحابہ کرامؓ کی صفت تھی۔ اشداء علی الکفار کہ کافروں پر بہت سخت تھے۔ یعنی غصہ کو کافروں پر استعمال کرتے تھے۔

غصہ اگر قلب میں ہو اور اسکا مصرف نہ ہو تو غصہ نے تو سر نکالنا ہے۔ چھت پر پرنالہ رکھا ہے۔ اگر پرنالہ نہ ہو تو پانی چھت پھاڑ کر نکلے گا۔ تو مقصدِ حیات عبادت الٰہی ہوئی۔ تو تمام کارخانہ کائنات انسان کے لیے اور انسان اللہ تعالیٰ کے لیے۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون جن اور انسان کی تخلیق عبادت کے لیے ہوئی۔ اگر عبادت ہوتی رہی تو کائنات قائم رہے گی۔ ورنہ قیامت کی صورت میں تباہ کردی جائے گی۔ بعینہ اس شوگر مل کی طرح جو اپنا مقصد چینی پیدا نہ کرے تو اسے ختم کردیا جاتا

ہے۔ جس سے اس کے تمام متعلقات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔

تو ایک مشین وہ ہے جو روپے میں روپیہ نفع دے دوسری وہ ہے روپے میں آٹھ آنہ نفع دے اور تیسری جو روپے میں چار آنہ نفع دے تو اس تیسری صورت میں بھی مالک شوگر مل قائم رکھے گا کہ چلو کچھ تو نفع دے رہی ہے۔

تو حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانہ اقدس میں خوب چینی نکلتی تھی۔ یعنی خوب عبادت ہوتی تھی۔ پھر ایک وقت میں چینی کی پیداوار میں کمی آ گئی۔ اب اور کم ہے۔ مگر چار آنہ نفع کی طرح تو ہے۔ اس لیے دنیا قائم ہے۔ جب یہ ختم ہوگی تو کارخانہ بے مقصد ہو کر رہ جائے گا۔ تب قیامت آئے گی۔

حدیث پاک میں ہے کہ جب تک ایک آدمی بھی زمین پر اللہ اللہ کرنے والا ہوگا۔ قیامت قائم نہ ہوگی۔ تو یہ اللہ اللہ کون سکھا رہے ہیں یہ وہ علماء ہیں جنہیں آج تم انگریز خبیث کی تقلید میں بُرا سمجھتے ہو۔ حقیقت میں اسی عالم کی وجہ سے تمہاری صدارتیں اور وزارتیں وغیرہ قائم ہیں۔

خطبہ نمبر۲

فسادات عہدِ حاضر اور اُن کا حل

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم. امابعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم. یرید اللہ ان یحق الحق بکلمتہ و یقطع دابر الکافرین لیحق الحق ویبطل الباطل ولو کرہ المجرمون۔

یہ صورۃ انفال کے ابتدائی حصہ کی آیت ہے اور اس میں ہمارے زمانے کا بڑا ضروری مسئلہ بیان ہوا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ پر یقین ہے یقین نہ ہو تو بات ہی کچھ نہیں۔ اللہ کی بات پر یقین ہو تو ایک نہایت اہم مسئلہ ہے وہ مسئلہ نیا ہے بیان کے اعتبار سے اور پُرانا ہے حقیقت کے اعتبار سے قرآن نے جب نازل ہو کر اس مسئلے کو بیان کیا تو یہ پُرانے سے پُرانا مسئلہ ہے لیکن اس اعتبار سے کہ آپ نے نہیں سُنا تو آپ کے لیے یہ نیا ہے۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ اس وقت پوری دنیا فسادات سے پُر ہو گئی ہے۔

ظہر الفساد فی البر والبحر ۔ اس آسمان نے اپنی زندگی میں اس دور کی طرح تماشا نہیں دیکھا تھا۔ انسانیت کا یہ عظیم بگاڑ یہ خطرناک تباہی چشمِ فلک نے کبھی نہیں دیکھی قرآن نے اپنے زمانے کے متعلق ظہر الفساد فی البر و البحر (والھواء والجو) فساد پھیل گیا خشکی میں بھی۔ فساد پھیل گیا سمندروں میں بھی۔ ہوا

میں بھی اور یار لوگ چاند کی طرف بھی جا رہے ہیں تا کہ اپنا فساد وہاں بھی پہنچائیں۔ ہندوستان کے ایک سائنسدان نے انہیں بہت درست کہا ہے کہ ظالمو! چاند کو مت چھیڑو۔ بگاڑو گے تو پھر درست کرنا نہ آتا ہوگا۔ کائنات تباہ ہو جائے گی۔ تمہارے دماغ میں جو کھجلی ہے اسے زمین تک محدود رکھو یہ کھجلی اوپر مت لے جاؤ سورج یا چاند کے ساتھ کچھ مت رگڑو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ علوی کائنات کو بگاڑو اور نیچے کی کائنات سب برباد ہو۔ اور پھر درست کرنا نہ چاند کا آوے نہ سورج کا آوے تو خدا جانے اب تو تین جگہوں پر فساد پھیل گیا ہے۔ سمندر ایک خشکی دو ہوا تین (کرۂ ناریہ پر تار بطروی نظام نے کہا کہ سب جھوٹ ہے) اور اگر معاملہ ستاروں تک بھی پہنچ جائے تو نہ معلوم یہ فساد کہاں ہوگا۔ کیونکہ ۲۰ ویں صدی کی خبیث انسانیت جہاں بھی جاتی ہے تو فسادوں کا سیلاب ساتھ لے جاتی ہے۔ فساد سے پُر۔ اور فساد کا ایک نمونہ یہ ہے کہ ایک سیکنڈ ہماری تاریخ میں ایسا نہیں گذرتا کہ زمین کے کسی حصے پر فساد نہ ہو مثلاً یہ کوریا کی لڑائی یا افریقہ کے مختلف جگہوں میں لڑائی ہے۔ ایشیاء میں فسادات ہیں۔ اور بھی ایک شیطان کے پیدا کردہ ہیں (شیطانِ یورپ) یہ اس وقت ابلیس اعظم کا جانشین ہے وہ بوڑھا ہو گیا اسے پینشن دیدی کہ ہم کام کو سنبھالیں گے۔ تم ریٹائر ہو جاؤ۔ ہر جگہ فساد اور اتنا بڑا فساد ہے کہ تعلیم اور کالج اور یونیورسٹی کے نام سے۔ تہذیب اور تمدن کے نام سے وہ فساد ہوا کہ شیطان کے کان بھی بہرے ہو گئے کہ جو پانچ ہزار سال میں فساد نہ کرا سکا مہذب یورپ نے وہ چند سالوں میں برپا کیا۔ یہی جنگ جو ابھی موجودہ گذری ہے ۳۹ء اور ۴۴ء کے درمیان مغربی جرمنی کے ڈاکٹر سمتھ نے بین الاقوامی رپورٹ مرتب کی۔ اقوام متحدہ نے اس ڈاکٹر کو مامور کیا کہ گذشتہ جنگ عظیم کے نقصانات کی تفصیل لکھو۔ وہ

رپورٹ ضخیم ساری داستان تو آپ کو نہیں سنا سکتا وہ تو طویل ہے۔ اتنا بیان کیا کہ اس جنگ میں چھ کروڑ انسان قتل ہو گئے لیکن زبانی بات کچھ نہیں میدان میں کھڑے ہو جائیں تو پتہ چل جائے۔ چھ کروڑ زبان پر تو ایک چھوٹا لفظ ہے جو ادا ہو گیا لیکن جب چھ کروڑ مخلوق میدان میں کھڑی ہوگی تو آپ حیران ہوں گے کہ یہ تو پوری دنیا ہے۔ پندرہ کروڑ مکانات جل کر خاکستر ہو گئے۔ کسی کا ایک مکان تباہ ہو جائے کتنے کنبے کو نقصان پہنچے گا چہ جائیکہ پندرہ کروڑ مکانات تباہ ہو جائیں۔ اتنی دولت برباد کر دی گئی کہ اگر اس دولت کو انسانوں پر خرچ کیا جاتا تو ایک ملک انسانوں کا نہیں صرف مردوں پر نہیں عورتوں پر بھی بالغوں پر نہیں نابالغوں پر بھی اور جو آج پیدا ہوئے ہیں ان کی بھی تنخواہ اڑھائی سو روپیہ ماہوار مقرر کی جاتی رپورٹ میں اس وقت دنیا کی آبادی ۲۵۰ کروڑ تھی تو دو سو پچاس کروڑ تھی تو دو سو پچاس کروڑ انسانوں میں سے ہر ایک کی تنخواہ اڑھائی سو مقرر کی جاتی تو ایک سو سال تک کل اولادِ آدم کپڑے اور روٹی وغیرہ سے بے پرواہ ہو جاتی (یعنی اس جنگ کے خرچے سے اڑھائی ارب انسانوں کو ایک سو سال تک اڑھائی صد روپیہ ماہانہ تنخواہ دی جا سکتی تھی) گویا سارے انسانوں کی ایک سو سال کی روٹی شیطانِ یورپ نے اپنے جوشِ غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لیے چند سالوں میں تباہ کر ڈالی اور نام اس کا تہذیب۔ تعلیم تم اس کی نقل اتارو۔ افسوس ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شکل چھوڑ کر دشمنانِ رسول کی شکل بناؤ۔ ان کی تہذیب کو اپناؤ۔ ماشاء اللہ بڑا کام کیا۔ افسوس ہے کہ ان کے نقصانات بھی مسلمانوں کے سامنے نہیں۔ اس فساد کو اگر دیکھا جائے اور انسانی فسادات کی تاریخ مرتب کی جائے تو آدم سے یورپ کی تہذیب کے دور پر سارے انسانوں کی اتنی تباہی نہ ہوئی ہوگی جو تنہا یورپ نے گذشتہ جنگ عظیم میں کی ہے۔ (یہ تباہی) پتہ نہیں

خدا تعالیٰ کوئی اور سزا دینا چاہتا ہے۔ اس وقت دنیا ایٹمی دور میں داخل نہ ہوئی تھی اب تو ایٹمی دور میں داخل ہوگئی ہے۔ (اور پگواس) جو امریکہ میں ایک مقام ہے وہاں سائنسدانوں کی ایک کانفرنس ہوئی۔ تو برطانیہ کے ایک سائنسدان نے ایک ایسا جراثیمی بم پیش کیا۔ جس کا وزن اڑھائی تولے ہے وہ ایک بم پوری زمین کو خاکستر بنانے کے لیے کافی ہے۔ نہ درخت نہ جانور اور نہ انسان بچے گا۔ یہ ہے بیسویں صدی کی لعنتی قوم کی ترقی اور ہم نقل اتار رہے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہمیں قرآن کا حکم ہے کہ ہم مضبوط سے مضبوط ہو جائیں۔ صحیح سے صحیح ہو جائیں لیکن صحیح ہونے کی یہی ترکیب نہیں جو استعمال کی جائے ہم اگر یورپ کے پیچھے دوڑیں بھی تمام چیزوں میں تو پچاس سال میں ہم اس مقام کو نہیں پہنچ سکتے جو ۱۹۱۴ء میں یورپ جس مقام کو پہنچا۔ تو ہم اگر پچاس سال میں ۱۹۱۴ء کی حالت کو پہنچیں تو یورپ غافل تو نہیں سویا تو وہ پچاس سال میں ایٹمی دور سے بہت آگے نکل گیا ہوگا۔ پھر کیا کرو گے۔ اس معاملے کی حد پر بھی غور کرو۔ یقینی بات ہے کہ دو آدمی میدان میں دوڑ رہے ہیں دونوں کی رفتار بھی برابر نہیں ہماری اور یورپ کی رفتار ترقی کہاں برابر ہے ہم ہر چیز کے محتاج ہیں کہ یہی سمجھو کہ ایک گویا گدھے کی رفتار ہے اور دوسرا گھوڑے کی اور گھوڑا ایک ہزار میل آگے نکل چکا ہے۔ کہتے ہیں کہ دوڑ و ترقی یافتہ قوم کے دوش بدوش ہو جاؤ تو کیا اگر ہم پانچ سو میل فتح کر لیں کل پچاس سال میں تو یورپ کا گھوڑا جو ہم سے ہزار میل آگے نکل چکا تھا کیا ہو پُرانی جگہ پر ہوگا؟ بلکہ وہ پانچ ہزار میل آگے نکل چکا ہوگا۔ یہ بات صحیح ہے کہ نہیں؟ اس لیے ہمارا فرض ہے کہ ان کا نہیں آجکل مسلمانوں کی یہ بدقسمتی ہے کہ یورپ نے ان کے دماغ میں کھلبلی ڈالی۔ اور ان کے دماغ میں ایک قینچی ڈالی ہے اس قینچی کو استعمال کرو یہ تو کچھ کر نہیں سکتے کہ دوسری چیز کتر لو

ہم نے ارادہ کیا کہ غریب اسلام کو کتریں گے، یورپ کے ہاتھ کی دی ہوئی قینچی جو ہے اگر اس سے اور کوئی چیز نہیں کتر سکتے ہو تو غریب اسلام جو پُرانا ہے بس اس کو قتل کیا کرے گا۔ آدمی کے ہاتھ میں قینچی ہو تو بیکار تو نہیں بیٹھ سکتا۔ بس اسلام پر قینچی چلانا شروع کیا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام راہِ ترقی میں رکاوٹ ہے (معاذ اللہ) میرے خیال میں کائنات میں اتنا بڑا جھوٹ نہیں بولا گیا جو یہ جھوٹ ہے کہ اسلام مانع ترقی ہے اور تاریخ ان جھوٹوں پر لعنت بھیج رہی ہے جو اسلام پر یہ غلط الزام لگاتے ہیں۔ اسلام جب طاقتور تھا اس نے دنیا کو فتح کیا اور جب کمزور ہوا تو کافر نے فتح کیا۔ یہ اسلام ترقی لانے والا ہے یا چھیننے والا؟ اگر چھیننے والا ہوتا تو صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ترقی چھین لیتا جب علل قوی ہو تو معلول بھی قوی ہوتا ہے۔ اسلام اگر ترقی چھیننے یا سلب کرنے کا کام کرتا ہے۔ چینی کا اگر کام پانی کو میٹھا بنانا ہے۔ شربت بنانا ہے تو چینی جتنی زیادہ ہوگی شیرینی اتنی زیادہ ہوگی تو اسلام جتنا طاقتور ہوگا ترقی بھی زیادہ ہوگی۔

تو صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں یہ ہونا چاہیے تھا کہ صحابہ کرامؓ غلام ہوتے (نعوذ باللہ) ذلیل ہوتے زمین کے ایک انچ پر قبضہ نہ ہوتا۔ لیکن انہوں نے بر و بحر کو فتح کیا۔ اسلام نے تاریخ کو یہ راز بتلا دیا کہ میری خاصیت ہے کہ میں تمہیں اقوام عالم کا مالک بناتا ہوں۔ لیکن جب ہم اسلام سے ہٹ گئے اللہ تعالیٰ سے تعلق کٹ گیا تو عالم اسباب سے جڑ گیا۔ تو پھر فیصلے عالم اسباب پر ہوتے ہیں مسب الاسباب غیر جانبدار ہو گیا۔ مسبب الاسباب اور خالق کائنات خدا کہتا ہے۔ میں پکے مسلمانوں کے تو ساتھ تھا قیصر و کسریٰ کے تخت ان کے ہاتھوں سے اُڑا دیے اور ان کی حکومتوں کا مالک بنا دیا کیونکہ وہ میرے تھے اور میں ان کا تھا۔ من کان للہ کان اللہ لہ ۔ جو اللہ کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ ان

کے لیے ہوتا ہے۔ ان کا جینا۔ مرنا لڑنا سب خدا کے لیے تھا ہمارے کل دھندے پیٹ کے لیے ہیں چاہے کافر ہو۔ بہت لوگ عیسائی بنتے ہیں مرزائی بنتے ہیں نوکری کی خاطر روٹی کی خاطر یہ ایمان کی قیمت ہے کوئی؟ روم کے مورخ نے صاف لکھا ہے کہ جب عرب کے بدؤں نے اسلام کی طاقت سے یورپ کو شکست دی تو ماہرین یورپ کی ایک کونسل بٹھلائی کہ مسلمانوں کی فتح کا سبب کیا ہے۔ ان میں بڑے تجربہ کار اشخاص تھے واقعہ بڑا لمبا ہے۔ کونسل کا آخری فیصلہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی فتح کا سبب یہ ہے کہ انہیں اسلام پر نا قابل شکست یقین ہے۔ اسلام پر اتنا پکا یقین ہے کہ قیمہ کردو اسلام سے ایک انچ ہلتا نہیں۔ اور آج تنخواہ دے دو جس مذہب پر لاؤ لا سکتے ہو۔ آج تو مسلمان کے ایمان کی قیمت روٹی بھی نہیں۔ ایسے مسلمان کو اللہ ساتھی بنائے جو خود اپنے مذہب کا دن رات مذاق اُڑائے۔ کافر اسلام کا اتنا مذاق نہیں اُڑاتے جتنا تم مسلمان اُڑاتے ہو۔ کیا اللہ ایسے مسلمانوں کو فاتح اور غالب اور مستحکم بنائے گا؟ کیا وہ خدا علیم بذات الصدور نہیں؟ عالم الغیب اور خالق نہیں؟ اس کو پتہ نہیں؟ کہ تمہارے ناپاک سینوں کے اندر یورپ کی تقلید اور اثر کی وجہ سے اسلام کے خلاف کیسے خبیث خیالات ہیں اور افکار ہیں۔ میں تمہارا ساتھ دوں۔ تمہیں ہمیشہ کتوں کی طرح لڑاؤں گا اور کافر سینوں پر سوار ہوگا۔ کافر کو تمہارے سینوں پر بٹھلاؤں گا۔ جب تک تم خدا کے نہیں ہوگے کتوں کی طرح ذلیل رہو گے، جب خدا کے بن جاؤ گے تو قدیمہ عزت واپس پاؤ گے۔ اس کو کونسل نے رپورٹ دی کہ اسلام کے ایک مسئلے کے بدلے پوری کائنات دو تو کوئی ایک مسلمان بھی اس مسئلے کو چھوڑنے کو تیار نہیں۔ انہیں اسلام پر اتنا پختہ یقین ہے کہ اس کا پتہ کیسے لگے گا تو اس کونسل نے کہا کہ اس جنگ میں جو مسلمان قیدی ہوئے ہیں ان میں سے ایک قیدی بلاؤ۔ ایک

اٹھارہ سال کا لڑکا گویا کالج کا لڑکا نوجوان لایا گیا۔ اس سے پوچھا گیا تم کب مسلمان ہوئے ہو۔ اس نے کہا ابھی چند دن ہوئے ہیں۔ باپ دادا تو ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ سے مسلمان چلے آرہے ہیں نوجوان کے سامنے ایک خوبصورت لڑکی لائی گئی اور لڑکے سے کہا گیا کہ تم ہماری قید میں ہو اگر تم اسلام چھوڑ دو تو اس کا نکاح تمہارے ساتھ کردیں گے اور بلکہ تمہیں قیصر کا داماد بنادیں گے اور اس کے مرنے کے بعد اس کی سلطنت تمہیں دی جائے گی۔ صحیح یا غلط لالچ دی گئی اور اگر بات نہ مانو گے تو تیل کو آگ پر گرم کر کے تمہارے ننگے جسم پر ٹپکائیں گے تو اسی طرح تمہاری جان نکل جائے گی۔ اس نے کہا کہ تم اس کے بدلے میں کیا چاہتے ہو۔ (تو انہوں نے کہا کہ ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ تم کافر ہو فقط اتنا کہو کہ اس جہاد میں جو ہم آئے ہیں جس میں اب قید ہو۔ ہم نے یہ کام اچھا نہیں کیا) یعنی تم جہاد کی شرکت سے پچھتاؤ۔ بس اتنا کہو کہ میں اسلامی جہاد میں آیا اور اس کا انجام یہ ہوا کہ میں قیدی بن گیا یہ میں نے کوئی اچھا کام نہیں کیا۔ لڑکے نے جواب دیا کہ اگر اس کے بدلے میں آسمان اور زمین ایک ہتھیلی پر رکھو اور دنیا کی تمام خوبصورت عورتیں دوسری ہتھیلی پر رکھو تو میں پیشاب بھی نہیں کروں گا۔ تھوکوں گا بھی نہیں تم کیا سمجھتے ہو اسی اسلام کے لیے تو ہم خون پانی کی طرح بہاتے ہیں۔ ہمارا اسلام پر پختہ یقین ہے۔ یہ بیسویں صدی کوئی صرف پنجاب کا مذہب ہے کہ جو آدمی بگاڑنا چاہے تو جلد بگاڑنے پر قادر ہو جاتا ہے۔

تو کہنا یہ تھا کہ تمام عالم میں بڑا فساد پھیل گیا۔ جگہ جگہ فساد سلطنتوں میں فساد رعیت میں فساد محلوں میں فساد میاں بیوی میں فساد والدین اور اولاد میں فساد۔ چابی اللہ نے پھیر دی تا کہ یہ اب میرے نہیں ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ غیر جانبدار ہو گیا۔ تم جانو

اور انگریز جانے تم جانو اور ہندو جانے۔ میں غیر جانبدار ہوں تم میرے نہیں میں بھی تمہارا نہیں اور یہ تو اللہ نے پہلے فرما دیا ہے۔ ان ینصر کم اللّٰہ فلا غالب لکم یہ سن لو یہ کون کہتا ہے یہ اللہ کہتا ہے دو دو نے چار غلط ہو سکتا ہے اللہ کی بات غلط نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر اللہ تمہاری امداد کرے فلا غالب لکم تم پر غالب نہیں آ سکتا نہ روس نہ امریکہ نہ چین اور نہ بھارت میں خدا کی قسم کھاتا ہوں اللہ نے سچ بولا کہ اگر اللہ کی امداد ہو تو ۳۱۳ کا ساتھ تو انہیں دنیا کا بادشاہ بنایا دس کروڑ کے ساتھ اللہ کی امداد ہو جائے تو غالب نہیں بنا سکتا؟ ان ینصر کم اللّٰہ فلا غالب لکم و ان یخذلکم اور اللہ امداد چھوڑے کہ تم بگڑ جاؤ۔ تم اللہ سے کٹ جاؤ اور اللہ تمہاری امداد چھوڑے۔ فمن ذاالذی ینصر کم من بعدہ کون ہے آسمان کے نیچے جو مسلمان کو مدد دے گا کوئی بھی نہیں دے گا ذلیل کتوں کی طرح تباہ ہو جاؤ گے۔ اے آسمان گواہ رہو کہ خدا نے سچ فرمایا۔ ہم قسم سے کہتے ہیں کہ اللہ کی بات سچی ہے۔ ایک اللہ کی امداد ہو پوری دنیا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اور اللہ کی امداد نہ ہو تو ہر ایک سے کمزور ہے۔ فمن ذاالذی ینصر کم من بعدہ فساد عام ہوا۔ ۱۹۱۸ء کی جنگ میں فساد ہوا ایک۔ ۴۴ء۔ ۳۹ء کی جنگ میں فساد ہوا دوم۔ ہندوؤں کے ذریعے بھارت نے جو مسلمانوں کو نقصان پہنچایا تین اور دنیا میں جو روزانہ فساد ہو رہے ہیں یہ چار میں نے کہا کہ بیان کرنے میں یہ نیا مسئلہ ہے۔ یہ دنیا میں جو فسادات ہوتے ہیں ان کا ذمہ دار کون ہے۔ سمندر میں فساد ہو جائے۔ خشکی میں فساد ہو جائے۔ ہوا میں فساد ہو جائے۔ ایٹم بم کے ذریعے تو اس کا ذمہ دار کون ہے۔ اب تک تو ہم مولویت کے جوش میں کہتے تھے کہ انگریز ذمہ دار ہے۔ یورپ ذمہ دار ہے۔

یہ بات امریکہ میں فساد ہو۔ افریقہ میں فساد ہو، روس میں فساد ہو، چین و جاپان میں فساد ہو۔ ہندوستان بھارت میں فساد ہو جانی ہو مالی ہو، تباہی و بربادی ہو اس کا ذمہ دار کون ہے اس کا سوال کس سے ہوگا۔ آج نیا مسئلہ قرآن نے بتایا کہ دنیا میں جہاں کہیں فساد ہو۔ مسلمان قوم مجرم ہے اس سے سوال ہوگا۔ سب فسادات کی پوچھ پاچھ آخرت میں مسلمان سے ہوگی۔ یہ معنی نہیں کہ اس کی پوچھ نہ ہوگی۔ ان کی نفی نہیں کر رہا (یعنی یورپ کی) تم بھی اس میں شریک ہو تم سبب بنے ہو۔ بات سمجھ میں آئی یہ نیا مسئلہ ہے یہ فساد اور ظلم جو دنیا میں ہو رہا ہے مسلمان پر ہو رہا ہے یا کافر پر۔ تو سنو قرآن کہتا ہے کہ یہ ظلم مسلمان کا ہے اور مجرم مسلمان ہے۔ سناؤں؟ آیت تو بعد میں منطبق کروں گا پہلے مسئلہ بتلاتا ہوں۔ ہر فساد باطل کا نام ہے اور ہر فلاح حق کا نام ہے۔ جہاں فساد ہوتا ہے یعنی انسان کا حق مارا جاتا ہے یا یوں کہو کہ خدا کا حق مارا جاتا ہے۔ فتنہ اور فساد جب مقابلے میں آ جائیں تو فتنے کے معنی اللہ کے حق کو مارنا اور فساد کے معنی ہیں انسانی حق کو مارنا۔ اللہ کا حق کہیں تباہ کر دیا جاتا ہو یا انسانی حق کہیں تباہ کر دیا جاتا ہو تو اسے کہتے ہیں فتنہ و فساد۔ تو فتنہ و فساد حقیقت میں باطل کا نام ہے اور باطل کا توڑ ہے حق۔ باطل اس وقت ہوگا۔ جب حق دبے گا۔ باطل تب غالب ہوگا جب حق مغلوب ہوگا۔ باطل حاکم تب بنے گا۔ جب حق کو محکوم بنائے گا۔ باطل کی طاقتوری اس وقت ہوگی جب حق کی کمزوری ہوگی دنیا عالم کا رہے۔ اور حق آدمؑ اور انبیاءؑ کے ذریعے آتا رہا اور آخری حق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دیا ہے۔ اس لیے جب اسلام کے مجاہدانہ کارناموں کی تفصیل قرآن میں بیان ہوتی ہے تو آخری نتیجہ یہ بیان کیا جاتا ہے۔ و یرید اللّٰہ ان یحق الحق بکلماتہ و یقطع دابر الکافرین. قل جاء الحق و زھق

الباطل ان الباطل کان زھوقا ہر فتنہ فساد باطل کا نام ہے اور باطل کا ہونا دلیل ہے
کہ مسلمانوں نے حق کی سربلندی کا فرض ادا نہیں کیا اب میں سمجھاتا ہوں رات دن کے
ساتھ ہوگی کہ نہیں؟ دن اور رات ایک دوسرے کی ضد ہیں کہ نہیں؟ گرمی کے ساتھ سردی
ہے کہ نہیں۔ نیکی کے ساتھ بدی ہے یا نہیں۔ عدل کے مقابلے میں ظلم ہے یا نہیں۔ ابلیس
کے مقابلے میں جبرائیلؑ ہے یا نہیں۔ تری کے مقابلے میں خشکی۔ پوری کائنات معرکۂ
اضداد ہے۔ ایک دوسرے کی ضد ہے۔ نور ہے تو ظلمت۔ ایمان ہے تو کفر۔ مسلمانی ہے
تو نامسلمانی۔ بہرحال کائنات حسیہ ہو یا کائنات معنویہ وہ اضداد کا مجموعہ ہے۔ ایک
صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ حضرت، شیطان کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے۔ اس
وقت تو میرے پاس اصل موضوع کے بیان کرنے کے لیے بھی بہت کم وقت ہے۔ اس کو
جو میں نے بیان کیا تو میں نے کہا کہ آپ پر کیا اثر پڑا تو جواب دیا کہ ایک ولی کے پیدا
کرنے سے شیطان کو پیدا کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ یہ حکمت میری سمجھ میں آ گئی
ہے۔ کہنے لگا کہ شیطان تو بڑا ضروری ہے۔ میں نے کہا کہ دین اور ایمان اور مذہب کی
بنیادی چیز کون سی ہے۔ تو بنیادی چیز اللہ کی محبت ہے۔ دین کا عطر اور نچوڑ اگر نکالو تو وہ اللہ
کی محبت ہے۔ یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا ہوں۔ قرآن والذین امنوا اشد حباً
للہ۔ جن کے پاس ایمان ہے تو ایمان کی بڑی نشانی یہ ہے کہ تمام چیزوں سے زیادہ محبت
اللہ سے ہوگی۔ یہ ایمان کی بہت بڑی علامت ہے اور میرے نزدیک یہ محبت الٰہی
مسلمانوں کی ملی اور قومی ریل گاڑی کی بمنزل بھاپ کے ہے۔ بھاپ جانتے ہو جو انجن
میں ہوتی ہے اور وہ بہت بڑی طاقت ہے جو انجن اور اس کے ذریعے ڈبوں کو کھینچتی ہے۔
محبت الٰہی جب نہ ہوگی تو اسلام کا انجن بغیر بھاپ کے ہوگیا۔ تو پھر نہ طاقت ہے نہ ترقی

ہے اور نہ منزل مقصود تک پہنچتا ہے۔ بھاپ اگر انجن میں ختم ہو جائے تو انجن سرد ہو گیا پھر
کراچی کون پہنچے گا۔ منزل مقصود ختم۔ یہ تو نری محبت جیسے بعض ملنگ قلندر اور غلط لوگ
کرتے ہیں۔ محبت ہے نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج۔ کہ شریعت الگ ہے طریقت
الگ ہے۔ حقیقت الگ ہے نری محبت ہے اور نعرہ لگاؤ ملنگوں کا یہ الحاد زندقہ ہے۔ محبت
تو پہلے ابھی مولانا نے آیت پڑھی تھی کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم
اللہ۔ محبت کے متعلق اللہ نے یہ فیصلہ کیا کہ زبان کے دعویٰ کی کوئی قیمت نہیں ہے بلکہ
اتباع سنت محمد ﷺ محبت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا اتباع کیا تو محبت ہے بس
چاہے ساری عمر میں میلاد نہ کرو اور چاہے نعرہ رسالت ﷺ بھی نہ لگاؤ لیکن اتباع ہو۔
اللہ کے ہاں نہ نعرہ رسالت ﷺ معیار ہے اور نہ نعت نہ مولود۔ اللہ نے معیار یہ رکھا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے نقش قدم پر چلو عمل کرو۔ اور تو کچھ بن نہیں سکتا پھر
نعرے لگاتا ہے وہ عمل کرنا تو مردانگی کا کام ہے۔ وہ تو کر نہیں سکتا یہ تو زنانہ کام ہے۔ تو
معیار بتلایا گیا اتباع۔ معلوم ہوا ایمان کی نشانی محبت الٰہی اور محبت الٰہی کی نشانی اتباع
محمدی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس کے بغیر اور کچھ نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع اس
کا معیار ہے۔ لیکن آجکل دعویٰ محبت بلا اتباع اس کو محبت سمجھا جاتا ہے اور گویا وہ یہ دعویٰ
کرتے ہیں کہ ہم میں بھاپ ہے۔ امت مسلمہ میں زبانی محبت کی بھاپ موجود ہے تو
اسلامی ریلوے کیوں نہیں چلے گی۔ اسلامی ریل کو تو چلنا چاہیے۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ یہ
تب چلے گی جب پٹڑی پر ہو پٹڑی کا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ پٹڑی سے اگر ریل کھسک گئی
تو بجائے سامان راحت کے سامان زحمت ہوگا اور سب سوار تباہ ہو جائیں گے۔ یہ پٹڑی
کون ہے یہ شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہے۔ اسلام کی ریل گاڑی شریعت

کی پٹڑی پر ہو اور محبت الٰہی کی بھاپ ہو پھر منزل مقصود پر پہنچے گی۔ اس کے بغیر کیسے پہنچے گی۔ اور آجکل آدمی یہ کہے کہ ملت مسلمہ اور قوم کی گاڑی منزل مقصود تک پہنچائے اور پٹڑی پر بھی نہ ہو۔ بلکہ پٹڑی کی مخالفت ہو کہ یہ مولوی کا ڈھکوسلہ ہے کہ یہ جو پٹڑی بچھائی گئی ہے یا اکھیڑ دو یہ مولوی کا ڈھکوسلہ ہے۔

ترمیم دان!

ترمیم کا قاعدہ ہے کہ ترمیم جو آدمی کرے تو صاحب ترمیم (ترمیم کا نام سنا ہے) میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر ایک بادشاہ کا حکم ہو تو اس میں تحصیلدار ترمیم کرسکتا ہے؟ پٹواری کرسکتا ہے؟ پولیس انسپکٹر کرسکتا ہے؟ نہیں کرسکتا تو دنیا کا بڑا بادشاہ خدا کے آگے تحصیلدار تو چھوڑ اس سے بھی کم۔ اللہ کی حکمت اور دانائی کے مقابلے میں بڑے سے بڑے بادشاہ کی دانائی اتنی ہی نہیں جو پانی کا ایک قطرہ سمندر کے آگے ہے تو اگر چپڑاسی کو بادشاہ کے حکم میں ترمیم کا اختیار نہیں تو دنیا کے کسی بادشاہ کو یا پارلیمنٹ کو یا اسمبلی کو یہ اختیار ہے کہ خدا کے قانون میں ترمیم کرے؟ ہرگز نہیں۔ ہاں اگر خدا خود کرے جس کو تنسیخ کہتے یا بیان طویل اصول فقہ میں خدا کرسکتا ہے امام قاضی تو حدیث کو بھی ناسخ نہیں مانتے۔ یعنی خدا کے حکم میں ترمیم اللہ ہی کرسکتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نہیں کرسکتے۔

ترمیم اگر ہوتی تو خدا خود کرتا لیکن خدا نے تو اپنے لیے بھی ترمیم کا دروازہ بند کیا۔ ترمیم قانون میں دلیل ہے کہ اس میں نقص ہے سالم نہیں ایمان سے کہو بات صحیح ہے کہ نہیں اگر ایک قانون کو ترمیم اور تبدیل کی ضرورت ہو تو اس کا معنی یہ کہ نامکمل ہے۔ تو ترمیم کے لیے خدا نے اپنے لیے بھی دروازہ بند کیا۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ کہا کہ میں نے اسلام مکمل

کیا (یہ اللہ کہتا ہے) مکمل اس لیے کہتا ہوں کہ میں ۲۰ویں صدی کے انسانوں کو بھی جانتا ہوں ان کی ضرورتوں کو بھی جانتا ہوں۔ ان کے حالتوں کو بھی جانتا ہوں۔ ان کے حالات کو بھی جانتا ہوں اور بیسویں صدی کے بعد یعنی دو ہزار صدیوں کے بعد جو واقعات آتے ہیں انہیں بھی اب ایسا جانتا ہوں جیسے وہ اس وقت ہوں گے یہ سب ہوتے ہوئے الیوم اکملت لکم کہتا ہوں کہ یہ سالم مکمل ہے۔ انسان و ملک و قوم و حالت و تغیرات و تبدلات کوئی بدلے قانون یہی ہوگا۔ بات سمجھ میں آئی ہے نا۔ تو دنیا مجموعہ اضداد ہے۔ ہمیشہ ضد کو ضد سے شکست دی جاتی ہے۔ تاریکی ہوتی ہے تو کہتے ہیں بجلی لگا دو۔ فانوس لاؤ۔ شمع لاؤ۔ یہ کیوں لاتے ہو کہ ہمیں تاریکی سے جنگ اور مقابلہ ہے اور تاریکی کو شکست تاریکی کی ضد سے دی جاتی ہے اور اس کی ضد روشنی ہے تو جس وقت تاریکی ہو جاتی ہے تو تم اور چیزیں کیوں نہیں لاتے کہ میاں شربت وغیرہ لاؤ تاریکی ہے۔ ذرا روشنی ہو جائے یا تاریخ کی کوئی کتاب لے آؤ اس تاریکی ہے ذرا روشنی ہو جائے۔ جب بھی آپ کو تاریکی کے لیے شکست دینے کی ضرورت ہوتی ہے تو تم روشنی کا انتظام کرتے ہو۔ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ فطرت کی آواز ہے کہ ضد کو ضد توڑتی ہے۔ جون جولائی کا جو مہینہ آئے تو آپ برف کیوں استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ گرمی کا موسم اور گرمی کا توڑ سردی ہے تو یہ فطرت کی آواز ہے کہ دنیا عالم اضداد ہے اور اضداد کی جنگ اور جہاد اور لڑائی جاری ہے۔ ململ اور ویل کے کپڑے کیوں استعمال کرتے ہیں؟ پنکھے کیوں چلاتے ہیں؟ اس لیے کہ گرمی کو شکست دینا ہے اور اس جنگ میں ہمیں گرمی کی ضد کی ضرورت ہے اور دسمبر اور جنوری کے مہینے میں انگیٹھی کیوں سلگاتے ہیں اور پوستین کیوں پہنتے ہیں اور کمبل کیوں اوڑھتے ہیں۔ کہ میاں سردی کے موسم سے پہلے ہمیں گرمی

کوشکست دیتی تھی اب سردی کو شکست دینی ہے تو سردی کی شکست کے لیے گرمی چاہیے یونانیوں نے اس جنگ اضداد سے ایک بہت بڑا علم مرتب کیا کہ ہر علاج بالضد۔ کہ ہر بیماری کا علاج اس کی ضد سے ہوتا ہے۔ کہ گرم مرض کے لیے سرد اور سرد مرض کے لیے گرم دوا اور ترنے کے لیے خشک اور خشک کے لیے تر تو اس دنیا میں ایک صنفی تاریکی ہے اس کی شکست کے لیے

جیسے رات کی تاریکی اس کے لیے آپ اس کی ضد تلاش کر کے شکست دیتے ہیں۔ لیمپ ہو۔ لالٹین ہو۔ بجلی ہو۔ تو اللہ فرماتا ہے تم کو معلوم نہیں ایک اور ظلمت اور نور بھی موجود ہے۔ دنیا ظلمت بمعنی تاریکی صنفی تاریکی کے علاوہ ایک معنوی تاریکی بھی موجود ہے وہ کون ہے ہر باطل عقیدہ۔ ہر بدعمل ہر کفر ہر شرک یہ کل تاریکیاں ہیں اس کے مقابلے میں ایک روشنی ہے وہ اسلام ہے۔ یہ مسئلہ بھی خود قرآن نے بیان کیا۔ اللہ ولی الـذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور ۔ اللہ دوست ہے ان لوگوں کا جو لوگوں کو تاریکیوں سے نور کی طرف لا رہا ہے۔ قرآن میں ظلمات جمع کا صیغہ کیوں آیا ہے اور نور واحد کا صیغہ کیوں آیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا ہے کہ حق واحد ہے۔ اعتدال ایک ہوتا ہے اور بے اعتدالی بہت۔

دو نقطوں کے درمیان اگر ایک خطِ مستقیم کھینچو تو وہ ایک ہوگا۔ اور باقی خطوط پچاس ساٹھ بھی ہو جاتے ہیں یہ ریاضی کا مسئلہ ہے۔ دو نقطوں کے درمیان خط ایک مستقیم ہوگا۔ اسی کو قرآن نے اشارہ کیا اھدنـا الصـراط المستقیم ۔ کہ اسلام صحت ہے تندرستی ہے۔ اعتدال ہے۔ تندرستی ایک ہوتی ہے۔ کفر اور گناہ گاری مرض ہے بیماری اور مرض ہزاروں ہو سکتے ہیں۔ تندرستی ایک ہے بیماریاں کتنی ہیں۔ تو تندرستی ایک ہے لیکن

اس کی ضد بیماری وہ ہزاروں ہیں۔ ہسپتالوں میں نہیں دیکھتے کہ مختلف امراض کے مختلف وارڈ ہیں یہ فلاں وارڈ ہے اور یہ فلاں وارڈ ہے وغیرہ یہی مسئلہ جو قرآن آیا تھا ظلمت کو لیکر چلا تھا لیکن نور کو واحد بیان کیا اللّٰـہ ولی الـذین امنوا ۔ اس لیے اللہ نے اسلام کے خلاف راہ عمل کفر کی ہو یا معاصیت کی ہو اسے معنوی ظلمت اور تاریکی قرار دیا اور اسلام کو نور واتبعوا النور الذی انزل معه تو معلوم ہوا کہ مسلمان جو اس دنیا میں آیا ہے کھانے پینے کے لیے نہیں آیا ملتِ اسلامیہ کی جو تشکیل ہوئی ہے وہ خورد و نوش کے لیے نہیں ایک خاص مقصد کے لیے ہے۔ آخر جو بجلی بنی ہے یا تارچ جو ہم لیتے ہیں یہ کس مقصد کے لیے۔ اس کا مقصد ہے کہ ہم تاریکی کو شکست دیں۔ اسلام اور حق اس لیے آیا ہے کہ اس کے ذریعے باطل کو شکست دی جائے۔ باقی اگر باطل معمولی ہو تو اس کے ساتھ جہاد بھی معمولی ہوگا۔ اور اگر باطل طاقتور ہو تو اس کے ساتھ جہاد بھی طاقتور ہوگا اور دنیا ہے معرکہ، جہاد۔ جہاد عربی زبان میں جد و جہد اور کوشش کا نام ہے۔ امر یہ ہے کہ دین حق کے لیے جو کوشش ہو اس کو جہاد فی سبیل اللہ ادھر سبیل کا لفظ بڑھا دیا معلوم ہوا کہ ہر کوشش جہاد ہے۔ دکاندار جو سودا بیچتا ہے وہ جہاد کرتا ہے مجاہدہ عمل کرتا ہے۔ روزی کمانے کے لیے، ملازم ملازمت پر جاتا ہے۔ چرواہا جانور چراتا ہے۔ کسان ہل جوتتا ہے۔ سپاہی لڑتا ہے۔ پرندے اُڑتے ہیں۔ دریا بہتے ہیں ہوا بھی چلتی ہے یہ سب جہاد میں مصروف ہیں۔ بعض حکم تشریعی کے تحت اور بعض حکم تکوینی کے تحت۔ لیکن جد و جہد اور گرمی عمل ضرور ہے سستی اور بیکاری نہیں سورج چلتا ہے۔ جہاد کرتا ہے۔ چاند چلتا ہے جہاد کرتا ہے۔ رات دن کے بعد لوٹ کر آتی ہے تو یہ بھی جہاد۔ جہاد کا معنی ہے کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ (یہ کر) یہ نہیں کہ مسلمان کی طرح ٹانگ پھیلا کر لیٹ جاؤ اور مولوی کو گالی

دیتے رہو۔ (تیرا جہاد یہی ہے) بس تیرا جہاد یہی ہے کہ انگریز نے یہ بتایا ہے کہ اپنے دین کے رہنما کو گالی دیا کرو تا کہ دین کی روشنی اور چنگاری تیرے دل میں آئے نہیں اور تاریکی میں ڈوب کر مرو۔ یہ سکھایا گیا یہ سب جہاد ہیں لیکن یہ تمام جہاد فرنگی جہاد ہیں ان میں دنیا کا فائدہ ہے۔ ایک معمولی مقصد ہے لیکن مقصد اعظم نہیں ہے۔ ایک وہ جہاد ہے جو آسمان سے حکم آتا ہے اطھو جہاد کے لیے بالفاظ دیگر میں نے دونوں میں فرق کیا ہے ایک آسمانی جہاد ہے ایک زمینی۔ زمینی جہاد میں چیونٹی بھی ہے۔ حیوۃ الحیوان اور علم الحیوانات میں لکھا ہے کہ وہ کونسا جانور ہے جو اپنے وزن سے زیادہ بوجھ اٹھائے کہا وہ ہے چیونٹی۔ اتنا بڑا دانہ اٹھاتی ہے کہ اگر ترازو میں وزن کیا جائے تو دانہ وزن دار ہوگا۔ ایک چیونٹی میں مشقت اور جہاد کا جذبہ زیادہ ہے۔ تیمور کی تاریخ میں لکھا ہے، یہ تیمور بیچارہ لنگڑا تھا۔ اس لنگڑے نے اتنا کام کیا ہے کہ دس کروڑ ملکر بھی اتنا کام نہیں کر سکتے۔ یہ تیمور کی اولاد کی سلطنت تھی تا یہ بابر جہانگیر وغیرہ یہ سب تیمور کی اولاد تھے۔ دیکھا کہ ایک چیونٹی دانہ گھسیٹ کر اوپر دیوار پر جا رہی ہے۔ تقریباً دو بالشت اوپر لے گئی تو دانہ بھی اور خود بھی گر گئی۔ چیونٹی نے ہمت نہ ہاری پھر پکڑ لیا پھر اوپر چڑھی چار بالشت پھر پانچ بالشت۔ تیمور صبح سے عصر تک یہ منظر دیکھتا رہا وہ بھی محنت و کوشش کرتی رہی آخر اپنے سوراخ پر دانہ پہنچایا۔

لیکن سوا اس کے کہ تیمور لنگڑا نے کے باوجود چیونٹی سے یہ سبق لیا کہ دنیا میں کوئی کام ناممکن نہیں۔ ہمت کی ضرورت ہے ہر مشکل آسان اس وقت دماغ میں تخیل بیٹھا چرواہوں کو جمع کرتا تھا کہتا کہ میاں میں تمہارا مسکین بادشاہ ہوں اور یہ مسکین وزیر اعظم ہے اور وہ فلاں وزیر ہے ایک مذاق ہوا۔ مذاق کیا تھا قدرت نے اس وادی

میں تغیر کیا ان اللّٰہ لا یغیر بقوم حتیٰ یغیرو اما بانفسھم کہ جیسے تیرا دل تبدیل ہوا۔ ہم بھی گویا اپنا قانون تبدیل کرتے ہیں۔ اسے بادشاہ بنا دیا۔ اور ایسا بادشاہ بنایا کہ اگر اس سے دو غلطیاں نہ ہوتیں تو آج یورپ میں ایک عیسائی نہ ہوتا۔ اس وقت ان کے بیان کا موقع نہیں تو اس کے ایک معمولی سے تغیر سے خدا نے اسے بادشاہ بنایا۔ اور ہمارے اندر تو کوئی تغیر نہیں آتا۔ ہم تو کہتے ہیں کہ بابا انگریز نے جو کیا ہے بس موت تک وہی کرنا ہے۔ انگریز ابا جان نے جو کچھ کیا ہے اسی پر مرنا ہے۔ نہ قرآن تغیر لا سکتا ہے نہ حدیث تغیر لا سکتی ہے اور نہ واقعات عبرت کے ہمارے اندر کوئی حرارت ایمان پیدا کر سکے یہ بدبختی ہے تو یہ ذلت دیکھتا ہے۔ بہر حال چیونٹی گویا بڑی چیز ہے علم الحیوانات میں یہ بھی مذکورہ ہے کہ تمام حیوانات میں ذخیرہ اندوزی صرف دو جانور کرتے ہیں۔ ایک چیونٹی اور ایک شہد کی مکھی بس اور کسی جانور یا پرندے کیڑے مکوڑے وغیرہ کی بل اور سوراخ میں آپ نے دیکھا ہے کہ خوراک جمع ہو۔ نہیں۔ یہ شہد کی مکھی پھولوں کا رس چوس کر شہد کا چھتہ بنا لیتی ہے یا چیونٹی اپنے بل میں خرمن کے دانے کو گھسیٹ کر لے جائے گی۔ تو یہ دو جانور خوراک جمع کرتے ہیں۔ آخر سورۃ نمل ہے تو چیونٹی میں کوئی خاص بات تھی نا تو اس کے نام سے قرآن میں سورۃ ہے۔ چیونٹی کی تحقیقات میں ایک جدید کتاب لکھی ہے۔ تو طنطاویؒ جوہری نے سورۃ نمل میں نقل کی ہے کہ چیونٹیوں کا بہت بڑا انتظام ہے۔ چیونٹی بلا امیر نہیں ان میں ایک بڑا ہوگا۔ مگر مسلمان نے قسم اٹھائی ہے کہ میں خود امیر ہوں میں امیر کیوں کروں اور اس بات میں ہم مولوی بھی شریک ہیں امت جب بگڑتی ہے تو ٹانگ بھی بگڑتی ہے اور سر بھی بگڑتا ہے۔ ہمارے ہاں ایک معصوم مولوی تھے فوت ہو گئے ہیں۔ خدا بخشے۔ ہمارے قصبہ میں دس علماء دیو بند ہیں ان میں اتفاق ہے۔

اس مولوی صاحب نے کسی سے پوچھا آپ کے ہاں کتنے عالم ہیں اس نے کہا دس عالم رہتے ہیں۔ اس مولوی صاحب نے پوچھا انہیں آپس میں اتفاق ہے کہ اختلاف ہے؟ اس نے جواب دیا اتفاق ہے۔ تو کہنے لگے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب جاہل ہیں۔ ان میں عالم کوئی نہیں۔ اس نے کہا مولوی کے ساتھ تو لڑنا لازمی ہے۔ جو لڑے نہ وہ مولوی نہیں۔

اقبالؒ کے شعر کے مطابق!

کہ دین کافر فکر و تدبیر و جہاد   دین مُلا فی سبیل للہ فساد

حقیقت میں فساد کے بانی تم ہو (یعنی مولوی) ہر مولوی نے ایک طریقہ سیکھا ہے کہ قوم کو نئے مسئلوں میں الجھا دو اور انہیں اپنا مرید بناؤ پھر ان سے خوب دنیا بٹورو۔ لوٹو۔

عقیدہ بھی بگاڑ دو مسلم بھی بناؤ بدعتی بھی بناؤ خوب لوٹو۔ یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ مولوی صاحب تو جو یہ مسئلہ بیان کرتا ہے تو ہی الگ ایمان دار ہے یا اصحاب رسول اللہ ﷺ۔ اصحاب رسول اللہؐ کے گرد و غبار کو بھی اعلیٰ درجہ کے مسلمان نہیں پہنچ سکتے۔ تو کیا یہ مسئلے اصحابؓ بھی کرتے تھے نہیں تابعیؒ کرتے تھے نہیں۔ تبع تابعین کرتے تھے نہیں۔ چار امام جتنے غوث کتب اور ولی کرتے تھے نہیں۔ لیکن (مولوی) میں نے پنجاب میں ایک ملت بنانا ہے۔ ایک گروپ بنانا ہے۔ تا کہ کبھی دوزہ ہو، جلسہ ہو، میز کرسی ہو اور جیب گرم ہو۔ اور کیا مسئلہ کہاں۔ مسئلے کا اختلاف نہیں اس لیے میں بدعتی آدمی کے مسئلے کو دینی مسئلہ نہیں سمجھتا ہوں۔ بلکہ مسئلہ شکمیہ۔ معاشی مسئلہ ہے شرک والا۔ اگر تم اسے کچھ نہ دو تو خدا کی قسم نہ وہ آدمی ہوگا اور نہ ہی کوئی گالی ہوگی۔ یہ مسئلے اور گالی آپ کے نوٹوں کی پیداوار ہے۔ آپ اس فتنے کو پانچ منٹ میں ختم کر سکتے ہیں۔ حکومت تو فتنے ختم کرنا نہیں

چاہتی آپ بھی ختم نہیں کرتے نوٹ دینا بند کر دیں بس ختم ہو جائیں گے۔ جب وہ مولوی دیکھے گا کہ غلط مسئلے بیان کرنے پر لوگ اب پیسے نہیں دیتے اب وہ ہوشیار اور سمجھدار ہو گئے ہیں۔ بس پھر غلط مسائل بھی ختم ہو جائیں گے۔ اور جو حق بیان کرے تو اس بیچارے کو کچھ نہیں ملتا۔ اس لیے یہ غلط بیان کرتے ہیں تو جو باطل بیان کرے گویا اس کی فیس مقرر کر دی ہے۔

چیونٹیوں کے مختلف گروہ ہیں ان میں باقاعدہ لڑائیاں بھی ہوتی ہیں صف بندی بھی ہوتی ہے اور جنگ بھی ہوتی ہے۔ وہ محقق ایسے بات نہیں کرتا۔ اگر اور کتابیں علم الحیوانات کی میسر نہ ہوں تو علامہ طنطاویؒ کی تفسیر جوہری دیکھو جو مغربی پاکستان میں ہر جگہ دستیاب ہے۔ ان میں مریض کی بیماری بھی ہوتی ہے اور علاج بھی ہوتا ہے۔ اگر مر جائے تو جنازہ بھی پڑھا جاتا ہے غسل اور کفن بھی ہوتا ہے۔ ان میں پورا انسانی نظام ہے جب تو سورہ نمل ہے چیونٹی کے نام سے ایک پوری سورۃ ہے جس میں چیونٹی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ بہر حال یہ تو درمیان میں ایک بات آ گئی میرا منشا یہ ہے ایک جہاد عام ہے کیڑے مکوڑے سے لیکر ہاتھی تک اور انسان تک سب اس جہاد میں مصروف ہیں۔ سورج اور چاند ستاروں تک سب اس میں مصروف ہیں وہ یہ کہ اللہ کے حکم کے لیے حرکت کوشش عمل جدوجہد اس کو جہاد کہتے ہیں جو فی سبیل اللہ ہو وہ جہاد اسلام ہے۔ جنگ ایک شکل ہے۔ لیکن وہ فی سبیل اللہ نہیں وہ جہاد اسلام نہیں۔ اللہ کی راہ نہیں یورپ کی دونوں لڑائیاں ہوئیں اور ممکن ہے کہ کوئی لڑائی لڑے لیکن اگر مقصود دولت ہو اور ملک کا قبضہ ہو وہ جہاد نہیں۔ میں نے اسلامی جہاد کے رسالے میں اس مسئلے کو مدلل بیان کیا ہے یہ جہاد پر ایک مفصل تحریر ہے۔ ہاں دین اسلام کی سربلندی کے لیے ہر کوشش جہاد ہے۔ اسلام کو

اونچا کرنے کے لیے دو ٹکے صرف کردہ جہاد ہے۔ یہ باقی جہادات سب فروعی ہیں اس لیے قرآن سے آرڈر نہیں آیا نہ چیونٹی کو نہ سورج کو نہ چاند کو ایک عام حکم ہوا۔ و سخرلکم مافی السمٰوٰت والارض وجعل لکم مافی الارض جمیعا. وما من دابۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ۔

یہ مصروفی جہاد ہے۔ لیکن فی سبیل اللہ جہاد وہ ہے جس کا حکم آسمان سے آتا ہے اور کام تھوڑا اور بدلہ بہت زیادہ وہ بھی شکل جنگ کی ہے لیکن جنگ اور جہاد میں بڑا فرق ہے بادشاہوں کی جنگ اور اسلام کے جہاد میں بہت بڑا فرق ہے۔ ایک شعر ہے

جنگ شاہان جہاں غارت گری جنگِ مومن سنت پیغمبری

یہ یورپی لڑائیاں لوٹ کھسوٹ اور غارت گری ہیں۔ اور مومن کی جنگ پیغمبرؐ کی سنت ہے۔ تو اللہ نے ذمہ داری ڈالی کہ جہاد کے بغیر کسی چیز کی حفاظت نہیں ہوسکتی جو حق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے واسطے سے ہم تک پہنچا جس کا نام ہے اسلام یا جس کا نام ہے کتاب وسنت یا اس سے مشتق قوانین فقہ۔ یہ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی امانت ہے (کتاب سنت، دین اسلام) ہم پر اس کی حفاظت کے لیے جہاد فرض کیا گیا۔ جہاد کے معنی کوشش کہ ایک اس کو پھیلانا اور دوسرا بچانا۔ یعنی اس کے پھیلانے کے لیے اور بچانے کے لیے جہاد فرض کیا گیا۔ پھیلانے کے بارے میں ڈاکٹر اسمتھ نے لکھا ہے کہ خواجہ اجمیری حضرت معین الدین چشتیؒ نے نوے (۹۰) لاکھ ہندو مسلمان کیے ہیں اور آپ نے کتنے کیے ہیں! ایک مسلمان نے کافروں کے ملک میں بیٹھ کر تو نوے لاکھ ہندو مسلمان کیے ہیں اور آپ نے مسلمانوں کے ملک میں

بیٹھ کر کچھ نہیں کیا۔ آپ تو کہیں گے کہ ہم تو خود بیزار ہیں یورپ نے ہمیں یہی سکھلایا ہے کہ یہ دین مولوی نہیں دین ملا ہے۔ ہم تو اور کچھ نہیں جانتے۔ ہم تو خود اس دین سے بیزار ہیں۔ اسلام گویا سیلاب کی طرح دیگر اقوام کو اپنی آغوش میں لیتا تھا اور اب مسلمان مرتد ہو کر ان کی آغوش میں جا رہے ہیں۔ (مرزائیت کی آغوش) میں جا رہے ہیں۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں یہ سب کچھ اپنی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ ایک ایک چیز کی پوچھ ہوگی۔ ہر چیز کی حفاظت کے لیے جہاد کا حکم دیا تو یہ جہاد ہم پر فرض کیا گیا اللہ نے ہمارے اس جذبہ کو ابھارنے کے لیے (ہمیشہ جہاد ہوتا ہے باندازِ دشمن) کہ مسلمانوں کو کہا کہ جو حق ہے یا دین ہے یا ایمان ہے یا مذہب اس کا دشمن کون ہے؟ جو اس حق کا منکر ہو منکر کو عربی زبان میں کافر کہتے ہیں۔ اگر آپ دس آدمیوں کے ساتھ لڑنا چاہیں تو دس کا انتظام کرنا پڑے گا اور اگر سو سے لڑنا چاہیں تو سو کا انتظام کرنا پڑے گا۔ اگر پچاس تو پچاس کا انتظام کرنا ہوگا۔ اور اللہ نے آپ کو پہلے بتلا دیا۔ والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض کہ زمین کے کرہ پر جتنے لوگ اسلام کے منکر ہیں وہ اسلام کے مقابلے میں سب آپس میں دوست اور ایک ہیں یعنی متحدہ محاذ ہیں۔ کافر گویا چین سے لیکر برازیل تک اور کینیڈا تک یہ تمام اسلام کے مقابلہ میں ایک محاذ ہے تو اٹھو مسلمانو! تمہارے پاس جو حق ہے اس کے اتنے دشمن ہیں تعداد میں اس قدر قوی ہے۔ تمہیں ان کے مطابق انتظام کرنا پڑے گا۔ تمہیں حق کو ان کے غلبے سے دستبردے حاکمیت سے اور زور و قوت سے بچانا پڑے گا۔ اور اگر تم نے حق کی حفاظت نہ کی اور کفر غالب آ گیا کسی بھی زمانے میں الا تفعلوہ تم اگر جہاد نہ کرو گے تو ترک جہاد کا نتیجہ وہی ہوگا جو گویا معرکہ اضداد کا نتیجہ ہے کہ جب ایک ضد کمزور ہو جاتی ہے تو دوسری ضد کا غالب آ جاتا

یقینی ہوتا ہے تو دوسری ضد اپنے پورے زور کے ساتھ دنیا پر مسلط ہو گی۔ تکن فتنة فی الارض تو ملک میں اللہ کے حقوق کی تباہی آ جائے گی جو فتنہ سے فساد کبیر اور انسانی حقوق کی ہی تباہی آ جائے گی جو بڑا فساد ہے یہ مرتب کیا گیا کے طور پر الا تفعلوا اگر تم جہاد و قربانی حق کے لیے نہیں کرو گے تو باطل حق کو دبائے گا اور باطل اپنے کل لوازمات کے ساتھ جو فتنہ اور فساد ہے پھیل جائے گا۔

وما علینا الا البلاغ

خطبہ نمبر۳

امیر کی صفت

امیر کا انتخاب تو ارباب حل و عقد کریں گے لیکن جس امیر کا انتخاب کریں گے اس میں کیا صفات ہوں۔ اسلامی سلطنتوں نے اس بات کا خیال نہیں رکھا اس لئے انکی سیاست ناکام رہی ہے۔ ہماری کتابوں میں جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امیر میں بنیادی چیز ایمان اور عمل صالح ہے۔ وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحات لیستخلفنھم فی الارض۔ کہ خلیفہ کے لئے ایمان اور عمل صالح ضروری ہے اب تو ووٹوں کی گنتی کی جاتی ہے نہ کہ ایمان اور عمل صالح چاہے نماز بھی نہ آتی ہو لیکن ووٹوں کی کثرت سے اس کا انتخاب ہو جاتا ہے۔ دیگر شرطیں علم دین، صحت بدن، اور شجاعت ۔ دین کا عالم ہو کیونکہ اس نے مسلمانوں کا امیر بن کر دین چلانا ہے۔ حضرت طالوت کا انتخاب بسطۃً فی العلم والجسم بنی اسرائیل نے حضرت طالوت کے انتخاب کیا تھا۔ انی یکون لہ الملک علینا الخ۔ کہ یہ کیسے امیر بنیں گے کیونکہ ہم اس سے دولتمند

ہیں اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا مال کا مسئلہ تو شیطان کا مسئلہ ہے۔ ان اللہ اصطفٰی علیکم وزادہ بسطۃً فی العلم والجسم۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے طالوت کو چنا وہ علم اور جسم میں سب سے بہتر ہے۔ واللہ یوتی ملکہ من یشاء۔ چناؤ اللہ کے پاس ہے۔ انسان ہو۔ دنیا ہو وغیرہ یہ سب کچھ اللہ کا ہے تم کون ہو اللہ کے چننے پر اعتراض کرنے والے۔ اس کے علاوہ تیسری شرط تدبّر سیاسی ہو۔ بیوقوف نہ ہو۔ یہ بھی آیت سے مستنبط ہے۔ ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضٰی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا الخ۔ مسلمانوں کا مدبر امیر کون ہوگا؟ یہ نہیں کہ اس نے لندن میں کوئی شیطانی ڈگری حاصل کی ہو۔ (1) تدبر کی چیز یہ کہ دین اسلام کی جڑوں کو مضبوط کرے۔ کیونکہ جس قدر اسلام مضبوط ہوگا اس قدر اسلامی حکومت مضبوط ہوگی۔ تو امیر وہ ہوگا جو دین کو مضبوط کرے۔ اور یہ عقل کے مطابق بھی ہے کہ جب ہماری سیاست اسلامی ہوگی تو جتنا دین کو مضبوط بنائیں گے اتنی اسلامی سلطنت مضبوط ہوگی۔ دوسری چیز ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا۔ تو دوسری چیز امن ہے کہ خارجی اور داخلی لحاظ سے رعایا امن میں ہو اور یہ کہ مدبر امیر کا ہے نہ کہ غیر مدبر کا۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے السیاسۃ الشرعیہ ایک کتاب لکھی ہے جس میں ایک قول نقل کیا ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ ہم فوج کیلئے سپہ سالار کا

چناؤ کرتے ہیں اور ہمارے سامنے دو آدمی ہیں ایک نہایت دیندار ہے مگر فوجی تدابیر کا ماہر نہیں دوسرا فوجی جنگی تدابیر کا ماہر ہے مگر زیادہ دیندار نہیں تو کس کو چنیں۔ دیکھو یہ فوج کی روح کا کام تھا۔ حضرت امام صاحب نے جواب فرمایا۔ جو فوجی جنگی تدابیر کا ماہر ہے۔ اسے چنو۔ ننتفع تدبیرہ اس کے تدبر سے ہم فائدہ اٹھائیں گے اور اس کے گناہ وہ خود آخرت میں سزا پائے گا۔ تو معلوم ہوگیا کہ امیر کیلئے ان صفات کا ہونا ضروری ہے۔ ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ امانت کو ان کے حقدار کے پاس حوالہ کرو۔ تو جو امیر بناؤ اس کو اہل دیکھو اگر غیر اہل کو دیا تو حدیث کی رو سے قیامت کا انتظار کرو۔ (3) تیسری چیز انتخاب کے بعد احتساب کہ ہر مسلمان یہ خیال رکھے گا کہ ہمارا چنا ہوا امیر کیا کام کر رہا ہے۔ اور امیر کی ہر غلط بات پر اعتراض کر سکتے ہیں۔ اور امیر کو ان کا جواب دینا ہے یہ ہے اسلام کا طریقۂ جمہوریت۔ یہ طریقہ مغرب میں نہیں۔ یہ نہیں کہ فلاں شخص ممبر نہیں وہ امیر پر اعتراض نہیں کر سکتا بلکہ اسلام کہتا ہے کہ امیر کی غلط بات پر ہر بالغ شخص اعتراض کر سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کو ایک مرتبہ قانون بنانے کا موقعہ آیا آپ نے حق المہر کا قانون نافذ فرمایا۔ دیکھو اسلام نے حریت کا بہت خیال رکھا ہے اگر کثرت قانون سازی اچھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ منع نہ فرماتے۔ حضور نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ سوال کرتے تھے تو اللہ تعالی نے فرمایا میرے حبیب سے زیادہ سوال نہ کیا کرو کیونکہ تم پر قوانین کا انبار لگ جائے گا۔ یاایہاالذین امنو الاتسئلوا عن اشیاء الخ۔ تو حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ عوام حق المہر کے معاملہ میں مبالغہ کرتے جاتے ہیں کہیں شادی مشکل نہ ہوجائے۔ تو باضابطہ ایک قانون بنایا تاکہ مسلمانوں کو نکاح کے بارے میں سختی نہ ہو جائے۔ تو صحابہ کرامؓ سے معلومات کیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین اور ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے کتنے حق المہر تھے۔ معلوم ہوا کہ پانچ سو درہم تھے جو پاکستانی روپیہ کے برابر 127 روپے بنتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ان سے بڑھ کر تو کوئی نہیں تو ان کے برابر مہر کا قانون مقرر کر دیا۔ تو جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے اور یہ قانون بیان فرمایا تو ایک بوڑھی عورت کھڑی ہو گئی کہا کہ تم کیا کر رہے ہو کیا آپ مہر پر پابند کرنا چاہتے ہو فرمایا ہاں کہا کہ قیامت کے دن اس آیت کا کیا جواب دو گے۔ تو قانون بذمہ طلاق۔ ایک مسئلہ قانون بیان کیا ہے کہ اگر جائز عذر سے طلاق دی جائے۔ وان اتیتم احدیھن قنطاراً فلا تاخذوا منہن الخ۔ اگر تم نے بیوی کو کثیر مال دیا ہو تو طلاق کے بعد اسے واپس نہ کرو۔ عربی میں قنطار مال کے ڈھیر کو کہتے ہیں۔ کم از کم دس ہزار روپے جب آپ نے یہ آیت سنی تو یہ

نہ کہا کہ یہ عورت اسمبلی کی ممبر نہیں۔ یہ کیوں اعتراض کر رہی ہے اس کو نکال دو۔ اور نہ ہی ہاتھ اٹھوائے گئے کہ کون اس عورت کے طرفدار اور کون حضرت عمرؓ کے طرفدار ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ عورت صحیح بات کہتی ہے اور خطاب کا بیٹا غلط ہو گیا ہے اور اعلان کیا کہ میں اپنا قانون واپس لیتا ہوں اور اس عورت کے مطابق عمل کیا جائے۔ یہ ہے اصل جمہوریت۔ اسلام کی جمہوریت ایک ایک فرد کو حاصل ہے حضرت عمر فاروقؓ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ نے جمعہ کی تقریر کے دوران ایک چادر باندھ رکھی تھی اور ایک اوڑھ رکھی تھی۔ یہ آپکی عادت مبارک تھی۔ ایک شخص اٹھا خطبہ کے دوران حضرت عمر فاروقؓ کے گریبان کو پکڑ لیا کہا کہ سرکاری خزانہ سے باقی مسلمانوں کو ایک ایک چادر ملی ہے اور آپکو 2 کیوں ملی ہیں۔ اس نے گریبان پکڑ رکھا ہے آپ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو کھڑے ہونے کا حکم دیا تو انہوں نے فرمایا کہ ایک میری چادر ہے ایک میرے ابا جان کی ہے تو اس نے گریبان چھوڑتے ہوئے کہا الان فاخطب اب تقریر کی جائے۔ مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ انگریزوں کو کہا کرتے تھے کہ ہمیں ایک بستی دیدو ہم اس میں اسلامی قانون چلائیں گے پھر دیکھنا کہ اسلام کا قانون عمدہ ہے یا تمہارا اب یہ بات رہ گئی کہ (مقاصد امیر) کیا ہوں۔ الذین ان مکنھم فی الارض اقاموالصلوۃ واتوالزکوۃ وامرو

بالمعروف ونھوا عن المنکر۔ جس کو ہم سلطنت دیں تو اسلامی سلطنت کے مقاصد کیا ہونگے؟ اقاموالصلوۃ پہلے نماز واتوالزکوۃ اور پھر زکوۃ قائم کرے۔ مطلب یہ کہ پہلے اپنے وجود پر اسلامی چیزوں کو شروع کرے۔ (جاری کرے) گاندھی کو دیکھو آخر تک اپنے ہندو مذہب کا نمونہ تھا۔ اسی طرح مسلمان کو بھی ضروری ہے۔ (3) وامروا بالمعروف پھر عوام پر نیکی کے حکم جاری کرے۔ (4) ونھوا عن المنکر۔ پھر بدیاں مٹائے۔ ایک تو یہ ہوگیا کہ اسلام کو اپنی شخصی زندگی پر جاری کرے اور دوم رعیت پر جاری کرے۔ تو قرآن نے کل چار مقاصد قائم کئے۔ مثلاً نماز کہ پوری اسلامی سلطنت میں ایک بالغ بھی بے نمازی نہ ہو۔ اسی طرح روزہ اور حج وغیرہ من استطاع الیہ سبیلا۔ حضرت عمرؓ لوگوں کو بھیجتے تھے کہ شہر کی حالت تو معلوم ہے بستیوں میں جاکر معلوم کرو کہ کون شخص امیر ہے جس کے پاس روپیہ ہے اور حج نہیں پڑھی تاکہ اس پر غیر اسلامی جزیہ لگایا جائے۔ یعنی اسے اسلام سے بھی خارج کردیا۔ اور آج یہ ہے کہ پیسہ ہے مگر حج کو نہیں جانے دیتے۔ کہ زرمبادلہ نہیں۔ مگر لندن جانے کیلئے زرمبادلہ ہے۔ تو قرآن نے چار مقاصد بیان کرکے اس کے بعد وللہ عاقبۃ الامور کہ سب کام کی چابی اللہ کے پاس ہے۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جو شخص ان چار مقاصد کو پورا نہ کرے تو اللہ فرماتا ہے کہ میں حکومت چھین لوں گا۔ بہادر شاہ کے

دور میں یہ مقاصد نہ تھے تو اللہ تعالی نے چھین کر انگریز کو دیدی۔ اس کے بعد سلطنت پاکستان ہمیں ملی اگر یہاں مقاصد پورے ہوئے تو مزید ملے گی ورنہ یہ بھی اللہ تعالی چھین لے گا۔ ان عذاب ربک لواقع مالہ من دافع۔ اللہ کا عذاب پڑجانے والا ہے۔ کوئی چیز اس کو دفع کرنے والی نہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ بیہوش ہوکر گر پڑے اور چارپائی پر اٹھا کر لے گئے اور بیس دن طبع پرسی ہوتی رہی۔ خطیب نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ امام نے پڑھا فاذا نقر فی الناقور تو چیخیں تو علاوہ مسجد سے دس جنازے اٹھائے گئے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ جارہے تھے لوگوں نے کہا وعظ کردو کہا کہ زیادہ وعظ ضروری نہیں تو پہلے دن خوف خدا سے سات آدمی مرگئے۔ دوسرے دن بارہ آدمی مرے اور تیسرے دن چالیس مرے پھر وعظ ختم کردیا بہرحال خوف خدا بڑی چیز ہے۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بنے تو یمن سے قرآن سننے کے لئے لوگ آئے جب قاری نے قرآن سنایا تو رو پڑے تو صدیق اکبرؓ نے فرمایا پہلے ہماری بھی چیخیں نکلا کرتی تھیں مامن امیر عشرۃ جو دس آدمیوں کا امیر ہوگا قیامت کے دن اس حال میں پیش ہوگا کہ زنجیر سے اس کے ہاتھ گردن کے ساتھ بندھے ہونگے۔ کہ یا اس کو اس کا انصاف چھڑائے گا یا ظلم غرق کرے گا۔ اللھم من ولی کہ کوئی حاکم نہیں شق علی امتی کہ اس نے میری امت کو تکلیف دی۔ الا

شفق علیہ یا اللہ تو اس حاکم کو تکلیف پہنچا۔ ومن رفقھم فارفق بھم اور جو میری امت پر نرمی کرے تو بھی اس پر نرمی کر۔ لکل غادر لواء یوم القیمۃ جو حکومت کے دوران خیانت کرے گا قیامت کے دن اس کے لئے ایک جھنڈا گاڑا جائے گا۔ کہ یہ دنیا میں غدار تھا یہ اسکی غداری کا بورڈ ہے۔ اس لئے بڑے بڑے اماموں اور عظیم شخصیتوں نے قتل ہونا قبول کیا مگر حکومت کا عہدہ قبول نہ کیا۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ حضرت عمرؓ ایک بار رو رہے تھے کہ اگر دجلہ کے کنارے پر ایک اونٹ کو کھجلی کی بیماری لگ جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ پکڑے گا کہ خطاب کے بیٹے تم نے اس کا علاج کیوں نہیں کیا۔ آخیر عمر میں یہ خوف اتنا بڑھا کہ دعا کرنے لگے اے اللہ اب میری حکومت بہت وسیع ہو گئی ہے اور میں کمزور ہو گیا ہوں اب مجھے اٹھا لے اس دعا کے بعد نماز میں تشریف لائے اور شہید کئے گئے۔ (نعم المرضعۃ وبئس الفطمۃ) کہ عہدہ حکومت دودھ پلانے میں اچھا لگتا ہے اور دودھ چھڑانے میں بہت برا لگتا ہے۔

خطبہ نمبر۴

حکومت کا ڈھانچہ

حکومت کا ڈھانچہ کیسے ہونا چاہیے یہ دور حاضر کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ مغربی جمہوریت کا یہ طریقہ ہے کہ ہر بالغ مرد اور عورت سے پوچھا جائے کہ مختلف امیدواروں میں سے کس کو چنو گے تو کثرت ووٹوں والا کامیاب اور دوسرا ناکام۔ اس میں پہلا نقص یہ کہ امیر کا انتخاب عوام کے ہاتھ میں رکھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انتخاب ہمیشہ غلط ہوگا کیونکہ عوام کی اکثریت جاہل ہے اور تعلیم والے بھی غلط تعلیم رکھتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں یقینی بات ہے کہ انتخاب غلط ہوگا اگر آپ کالج کے پرنسپل کے متعلق عوام سے انتخاب کرائیں کیا یہ صحیح ہوگا۔ اگر آپ ہسپتال کے سرجن کے متعلق کسانوں سے چناؤ کرائیں تو وہ کہیں گے کہ ہم تو سول سرجن جانتے ہی نہیں چناؤ کیا کریں۔ تو عوام کو چناؤ دینا تو علم پر جہالت کو سوار کرنا ہے۔ تو گویا ہماری سیاست کی پہلی دیوار ہی غلط ہو گئی۔ (2) اہلیت انتخاب عوام میں نہیں۔ (3) یہ کہ اگر

اہلیت ہو بھی سہی تو متاثرہ نہ ہو مگر یہاں تو عوام یا کسی زمیندار کے
نیچے یا مزدور ہیں جو کسی حاکم کے نیچے ہوں گے اور پھر غلطی یہ کہ بیرونی
اثرات سے عوام میں تاثر موجود ہے۔ جب تاثر موجود ہے تو پارٹی
بازی شروع ہو جائے گی۔ تو نالائق کامیاب اور لائق ناکام ہوں گے۔
(4) نقص یہ کہ عوام عموماً غریب ہوتے ہیں ہر شہر میں غریبوں کی
تعداد زیادہ ہے۔ تو اب ایک لائق فریق اس کو الف اور نالائق فریق
کو ب فرض کر لو۔ اب لائق جو الف ہے وہ ایک لاکھ خرچ کر سکتا
ہے اور نالائق جو ب ہے وہ دس لاکھ خرچ کر سکتا ہے۔ (5) یہ کہ
اس طریقہ کار میں انتخاب خاموش نہیں ہوتا بلکہ جلسے وجلوس ہوں گے
طرح طرح کے کھانے پکیں گے تو نالائق کے پاس کارندے اور مقرر
شاعر وغیرہ بہت تعداد میں ہیں وہ ہر ہر محلہ میں جا کر اس کی خوبیاں
بیان کریں گے اور برائیاں چھپائیں گے مطلب یہ کہ لائق کے
امدادی لوگ کم اور نالائق کے زیادہ ہوں گے۔ (6) نقص یہ کہ افراد ملت
میں دائمی عداوت کا بیج بونا ہے۔ تو معلوم ہو گیا کہ مغربی طرز
حکومت میں تنظیم نہیں تخریب ہے۔ (7) بات یہ ہے کہ جب
اسمبلی میں افراد پہنچیں گے تو وہاں دو پارٹیاں بن جائیں گی۔ ایک
حزب اقتدار اور ایک حزب اختلاف۔ اب وہاں جو قانون پیش ہو گا
تو حزب اقتدار کثرت کی وجہ سے کامیاب ہو جائیں گے اور حزب
اختلاف قلت کی وجہ سے ناکام رہیں گے۔ اور مغربی حکومت میں

قلت ایک ایسا جرم ہے کہ انسانیت ہی نہیں رہتی۔ کیونکہ اگر
کثرت تعداد دو دو نے پانچ کہے تو صحیح ہے اور پاس ہو جائے گی۔ تو
عجیب بات ہے کہ حزب اختلاف کے لوگ بیکار بیٹھے ہیں۔ (8)
بات یہ کہ پھر اسمبلی میں بغاوت ہو جاتی ہے کیونکہ حزب اقتدار میں
شریک سب کو تو وزارتیں نہیں ملتیں تو وہ کہتے ہیں کہ خرچ کیا ہے
ہم تو کچھ کمانے کیلئے آئے ہیں اس صورت میں تو ہمیں کچھ نہ ملا تو
وہ حزب اختلاف سے مل کر عدم اعتماد کرتے ہیں۔ تو گورنمنٹ کو خطرہ
ہو جاتا ہے تو اسے رشوت دیکر ٹالتے ہیں۔ اب اسلام کے متعلق
وضاحت کرتا ہوں۔ اسلام دین الٰہی ہے۔ جتنا اسلام بندہ سے بلند
ہے اتنی اللہ کی جمہوریت بھی بلند ہے۔ اسلامی جمہوریت میں تین
بنیادی حقیقتیں ہیں۔ اس پر اسلام روشنی ڈالتا ہے۔ کہ انتخاب
کون کرے۔ (1) یعنی قوۃ منتخبہ۔ (2) اور کس کو منتخب کرے۔
(3) کس کام کیلئے کرے یہ تین بنیادی چیزیں ہیں۔ یہ نہیں کہ یہ
ایک میلا ہے بس گذر گیا اور قوم غرق ہو جائے۔ کیونکہ دین ایک
فطرت ہے فطرۃ اللہ الذی لا تبدیل لخ۔ حل کے معنی کھولنا اور عقد
کے معنی باندھنا کے ہیں۔ یعنی مخصوص طبقہ منتخب کرے تو معلوم
ہو گیا کہ اسلام کی محبت اور ہمدردی صرف ایک خاص طبقہ میں ہے
نہ کہ عوام میں۔ دلیل ہمارے پہلے خلیفہ کا انتخاب ہے یعنی امیر
المومنین حضرت صدیق اکبرؓ کا انتخاب۔ آپ کا انتخاب ایسے تو نہ

ہوا کہ کسی علاقے میں ووٹ ڈالے گئے۔ نہ نجد۔ نہ مکہ۔ نہ یمن وغیرہ سے نہیں پوچھا کہ کس کو منتخب کریں۔ تو مدینہ شریف میں دو گروہ تھے انصار و مہاجرین۔ یہ تھے ارباب حل و عقد جن کے متعلق اسلام نے کہا کہ یہ چناؤ کریں۔ ان دو جماعتوں کا علم اور اسلام کی ہمدردی سب سے زیادہ تھی۔ اور یہ وہ جماعتیں تھیں جنہوں نے سب سے زیادہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض اٹھایا تو حقیقت یہ کہ مدنیہ ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ تو شہر والوں بلکہ گردو نواح والوں سے بھی نہیں پوچھا۔ تو مغربی حماقت اسلام نے نہیں کی۔ تو اسلام کے علم و عمل جو تھے مہاجرین و انصار ان کو حق دیا گیا کہ انتخاب کرلو ملت اسلامیہ میں ان کو علم زیادہ تھا۔ انہوں نے ثقیفہ نبی سعدیہ میں حضرت ابی بکرالصدیقؓ کا چناؤ کیا۔ تو جب یہ بات پورے عرب میں پھیلی تو سب نے فیصلے کے سامنے گردنیں جھکا دیں۔ یہ دونوں گروہ عالم، فاضل تھے ایک جاہل نے یہ بات کی کہ مہاجرین و انصار نے پورے عرب کا فیصلہ کیا ہے۔ قرآن کہتا ہے مہاجرین و انصار کے بارے میں والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ۔ تو کہا کہ جن کو ایمان اور تقویٰ کی ڈگری عرش سے ملی ہے۔ کیا ان کا فیصلہ غلط ہے۔ یہ تخم خبیث۔ انگریز خبیث نے گاڑا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے غلط چناؤ کیا تھا تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ختم ہوجائے۔ آج پاکستان میں بھی یہ بات گھس گئی

ہے یہ پرویز وغیرہ حکومت کے اشارہ پر اس کوشش میں ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ختم کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ بھیڑ جمع کرنے کی ضرورت نہیں ہے بس لائق کا انتخاب ہو نالائق کا نہ ہو۔ طریقہ انتخاب خواہ کچھ بھی ہو نتیجہ یہ ہے کہ علم و تقویٰ والا گروہ انتخاب کرے۔ اس کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ کا انتخاب۔ جب حضرت صدیق اکبرؓ وفات کے قریب تھے تو آپ نے ایک وصیت نامہ لکھا کہ میرے بعد حضرت عمرؓ کو خلیفہ بنایا جائے۔ بدایہ ونہایہ میں ہے کہ آپ نے ہر شخص سے پوچھا کہ میں تمہارے لئے حضرت عمرؓ کو خلیفہ چنتا ہوں کیا درست ہے؟ سب نے اقرار کیا صرف ایک نے کہا کہ ان کی طبیعت سخت ہے۔ فرمایا میں نرم تھا اس لئے وہ سخت تھا اب وہ خود نرم ہوجائے گا۔ بعد میں سب کو بلایا جب وہ اکٹھے ہوگئے تو فرمایا کہ حضرت عمرؓ کو خلیفہ منتخب کرتا ہوں کیا درست ہے؟ سب نے مانا۔ وصیت نامہ فرمایا میں تمہارے لئے ایک ایسے وقت میں ایک امیر کا انتخاب کرتا ہوں کہ جس وقت کافر بھی ایمان لاتا ہے۔ اور مومن توبہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یعنی موت کے وقت۔ مطلب یہ کہ ایسے وقت میں تو خوف خدا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق عمدہ انتخاب ہوگا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کی تعریف فرمائی۔ فان اتم فذالک ظنی بی اگر اس نے پورا کیا تو یہ میرا گمان ہے اگر نہ کیا تو فامی منقلب

ينقلبون ۔ تو عنقریب جان لیں گے کہ ظالم کس کروٹ پر ہوتا ہے۔ تو حضرت رسول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات طیبہ کے بعد بغاوت ہو گئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دو لشکر روانہ فرمادیے جن کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی کا حکم دے رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اندرونی بغاوت ہے اور آپ باہر لشکر روانہ کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ فرمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اسے میں پورا کرونگا۔ جب باغیوں نے شام کو جانے والی فوج کو دیکھا تو یہ معلوم کر کے حیران ہو گئے کہ اس کو امیر المومنین نے روانہ کیا ہے تو وہ اس جرأت سے ایسے متاثر ہوئے کہ پسپا ہو گئے۔ تو ایک طریقہ تو یہ کہ علم و تقوی میں طبقہ مخصوصہ جو کمال کا درجہ رکھتا ہو۔ یعنی علم و تقوی میں کمال کا درجہ رکھتا ہو وہ انتخاب کرے۔ دوسرا طریقہ صدیق اکبرؓ کا۔ تیسرا طریقہ انتخاب کا یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ وفات پا رہے تھے تو سوچا کہ کسے منتخب کروں۔ تو آپ نے چھ اشخاص پر مشتمل مجلس بنائی جو اسلام کی یکمن تھی۔ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمان ابن عوفؓ، حضرت طلحؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرا بیٹا عبداللہ ابن عمرؓ مجلس میں بیٹھے گا مگر رائے کا حق نہیں ہوگا۔ تو حضرت عبدالرحمان ابن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ سے کچھ بات کی کہ حضرت علیؓ اگر منتخب

ہو جائیں تو آپ ناراض تو نہ ہونگے۔ تو انہوں نے فرمایا درست ہے۔ پھر اسی طرح حضرت علیؓ سے پوچھا کہ اگر حضرت عثمانؓ منتخب ہو جائیں تو کیا درست ہے تو حضرت علیؓ نے فرمایا درست ہے۔ تو بعد میں حضرت عثمان غنیؓ کا انتخاب ہو گیا۔ تو حضرت عمرؓ کا انتخاب حضرت صدیق اکبرؓ نے استصواب رائے سے کیا۔ اور چھ حضرات نے حضرت عثمانؓ کا۔ اور مہاجرین و انصار نے حضرت علیؓ کا انتخاب کیا۔ تو معلوم ہو گیا کہ طبقہ مخصوصہ نے انتخاب کیا۔ آج کہتے ہیں کہ اسلام میں تنگی ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں تنگی ہے نہ کہ اسلام میں۔ تو مثال دی کہ ایک حکیم نے مریض کو پرہیز کیلئے کہا کہ تم فلاں فلاں سبزی کھا سکتے ہو مگر بینگن نہیں کھا سکتے۔ مگر جب وہ بازار میں جاتا ہے تو صرف بینگن ملتے ہیں اور دوسری کوئی سبزی نہیں تو طبیب کو جا کر کہتا ہے کہ تمہارے نسخہ میں تنگی ہے طبیب نے کہا میرے نسخہ میں تنگی نہیں بلکہ تمہاری بستی میں تنگی ہے۔ یہی بات ہے کہ انگریز جب بادشاہ بنے تو ہم نے انگریز کا بینگن پھیلا دیا اور اب کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام میں تنگی ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ اسلام میں تنگی نہیں آپ کے اندر تنگی ہے۔ اب کہتے ہیں کہ ارباب حل و عقد کہاں سے لائیں۔ اسلامی نظام ہو تو ہر مسلمان پر اسلامی تعلیم لازمی ہو گی۔ تو اگر پورا نظام اسلام ہو اور تعلیم

بھی اسلامی ہو تو وہ خود ہی حل و عقد ارباب تلاش کر لیں گے۔ جس طرح ایک گروہ اپنے طبقہ کے سر کردہ فرد کو جانتے ہیں مثلاً شاعر حضرات کا طبقہ سب سے بڑے شاعر کو جانتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح کیا ایمان و تقوی والے اپنے طبقہ کے بڑے کو نہ جانتے ہونگے؟ جب اسلامی علم و تقوی ہو گا تو اسلام والوں کو خود معلوم ہو گا کہ فلاں حل و عقد کے قابل ہے۔ آج بھی کیا عالم نہیں جانتے کہ فلاں بڑا عالم ہے۔

خطبہ نمبر۵

حُدُودُ المشورہ

اس سے پہلے درس میں اسلام کے سیاسی نظام کے سلسلہ میں بیان ہوا۔ وہ یہ کہ دنیا میں شورائی نظام کو سب سے پہلے اسلام نے پیش کیا۔ اسلام سے قبل کوئی کتاب نہ کوئی حکومت ملتی ہے جس نے شورائی نظام شروع کیا ہو۔ مسلمانوں کا امیر مشورہ لے گا لیکن اسلام نے مشورہ کی حدود مقرر کی ہیں کہ کن باتوں میں مشورہ کرے۔ مشورہ کا معنی یہ کہ شوری کے ممبران پیش آمد کام کے متعلق رائے دیں۔ لیکن مشورہ کی حدود کیا ہیں۔ اسلام نے اس کی حدود مقرر کی ہیں۔ اسلام میں کچھ منصوصات ہیں یعنی واضح حکم مل چکا ہے منصوصات حدود مشورہ سے خارج ہیں۔ یعنی منصوصات وہ ہیں جو قرآن و حدیث نے ظاہر حکم دیدیا ہو۔ ایسے حکموں کے بارے میں کوئی اسمبلی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ ان منصوصات میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے ہو چکے ہیں تو مجلس شوری یا ارکان اسمبلی کو ان میں دخل اندازی کی اجازت

نہیں کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے احکام کو بحث میں لا کر کوئی تبدیلی کریں۔ قرآن یایہاالذین امنو الاتقدموا بین یدی اللہ ورسولہ ۔ تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے نہ بڑھو یعنی ان کے فیصلے پر فیصلہ نہ کرو۔ البتہ دوسری صورت ہو سکتی ہے کہ اسلامی مجلس شوری یا اسمبلی میں کوئی ایسی تجویز زیر بحث آگئی اور ممبران میں اختلاف پڑ گیا تو اللہ تعالی فرماتا ہے کہ ایسی صورت میں تم قرآن وسنت کے سامنے جھک جاؤ یعنی قرآن و سنت سے فیصلہ کرو۔ اطیعوا اللہ واطیعوالرسول واولی الامر منکم (فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول۔) امیر المومنین کا حکم تو مانو اگر حاکم اور تمہارے درمیان اختلاف ہو جائے تو فیصلہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی قرآن وسنت کی طرف لوٹا دو۔ حاکم اور محکوم دونوں متنازعہ امور میں کتاب اللہ اور سنت کی طرف رجوع کیا کریں۔ منصوصات کا ایک حصہ تو واجب اور ضروری ہیں مثلاً نماز وغیرہ قربانی روزہ وغیرہ فرائض اور واجبات میں سے ہیں۔ اور کچھ محرمات ہیں۔ مثلاً سود اور شراب وغیرہ ان میں پوری دنیا تبدیلی نہیں کر سکتی۔ جن چیزوں کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرض یا واجب یا حرام قرار دیدیں اس پر کوئی بحث نہیں ہو سکتی۔ اس طرح دنیا کی پوری تاریخ میں کسی بادشاہ نے ان چیزوں کو بحث میں نہیں لایا۔ ہاں منصوصات کے وسائل میں مشورہ ہو سکتا ہے۔

منصوصات میں مشورہ نہ کرنا مثلاً یہ کہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سود حرام ہے اور آج ہم مشورہ کریں کہ سود حلال ہے یا حرام۔ ہاں یہ مشورہ کریں کہ سود کے انسداد کیلئے کیا وسائل کریں۔ فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ ۔ اگر تم سودی کاروبار اب بھی بند نہ کرو تو اللہ تعالیٰ اسکے رسول کے ساتھ جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ۔ آج یہ کہنا کہ سود کو بند کریں یا نہ کریں۔ انسان کو یہ کیا حق ہے کہ اللہ کے فیصلے پر تنقید یا نظر ثانی کرے۔ آج کل یہ چیز بھی مشورے میں آئی ہے سود کے حلال ہونے پر ادارہ کے سربراہ ملحد ڈاکٹر فضل الرحمان نے رسالہ تحریر کیا ہے۔ لکھتا ہے کہ حرام سود وہ ہے جو سو پر سو سود ہو اس سے کم پر جائز ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ اس ڈاکٹر مذکورہ کو خدا پر بھی ایمان نہیں۔ قرآن کے زمانہ میں عرب میں خاص قسم کے سود کا رواج تھا مثلاً سو روپیہ پر پانچ روپیہ ماہوار سود لگتا تھا اور تمام مفسرین نے متفقہ طور پر اسی کو لکھا ہے تو سال بعد اس کو کہا جاتا کہ ایک سو ساٹھ اب دیتے ہو یا ایک سال اور مہلت مانگتے ہو اگر سال کی مہلت مانگتے ہو تو دس فیصد سود ہو گا تو اس پر قرآن نے فرمایا۔ لاتاکلوا الربوا اضعافا مضاعفہ کہ تم زیادہ سود نہ کھاؤ۔ یہ تھی عرب کیلئے اور اللہ تعالیٰ کو تو معلوم تھا کہ چودھویں صدی کے عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم سود کو حلال کریں گے تو اس لئے فرمایا۔ احل اللہ البیع وحرم الربوا ۔ اور آگے فرمایا اگر تم سود سے

توبہ کرتے ہو تو اصل رقم لے سکتے ہو نہ کہ سود۔ اب یہ مسئلہ مجلس شوریٰ میں پیش کریں کہ کیا سود حلال ہے یا حرام یہ تو دین سے مذاق ہے۔ کیا جو دین صحابہ کرامؓ کے دور سے گذرا وہ غلط ہے اور آج کے لعنتی دور کا دین درست ہے؟ لعن رسول صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربوا وموکلہ وشاہدیہ وکاتبیہ۔ یتخبطہ الشیطن من المس۔ سود خور جب قبر سے اٹھے گا تو قدم قدم پر ٹھوکر کھا کر گریگا۔ اور پوری دنیا دیکھے گی۔ سود کی تمام صورتیں حرام ہیں۔ آج یہ کہنا کہ ہم غریب ہیں سود کے بغیر کام نہیں چلتا۔ کیا صحابہ کرامؓ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تم زیادہ غریب ہو آپ کا یہ حال تھا کہ تین تین ماہ آگ نہ سلگتی تھی کیا اس سے بڑھ کر کوئی اور غریبی ہو گی کیا انہوں نے کبھی سرمایہ داروں، یہودیوں اور دوسری قوموں سے کوئی سود مانگا تھا۔ ابوداؤد میں حضرت علیؓ کہ مجھے اور خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنھا کو بھوک نے بیتاب کیا میں نے ایک یہودی کا باغ دیکھا وہاں گیا تو یہودی بیٹھا تھا میرے اوپر وہ موٹا کپڑا تھا جو اونٹ کی پیٹھ پر ڈالا جاتا ہے اس نے آواز دی بدو نوکری کرو گے تو اونٹ کی پوری کھال کا مشکیزہ تھا کہا کہ ایک مشکیزہ کے بدلے ایک خرماء کا دانہ دونگا تو آپ نے سات یا گیارہ خرماء کے دانے اکٹھے کر لئے اور گھر تشریف لے آئے کیا آپؓ سود نہیں لے سکتے تھے۔ اگر غربت کا بہانہ تراشتے ہو تو صحابہ کرامؓ سے کسی کی غربت بڑھی

نہیں۔ یہ صحابہ کرامؓ کا ابتدائی زمانہ تھا مگر جب اللہ دینے پر آیا تو سب سے زیادہ دیا۔ تو سود خواہ بیمہ کی شکل یا سوسائٹی کی شکل میں ہو سب حرام ہے۔ مجھے موٹر خریدنے کیلئے کچھ رقم کی ضرورت ہوئی تو چار ہزار سود کے ساتھ دی میں نے واپس کر دی۔ مگر پھر حکومت نے بلاسود منظور کی۔ اسی بہاول پور میں میرے پاس کچھ لوگ آئے کہ ساٹھ ستر علماء نے سود کو حلال قرار دیا ہے اگر آپ بھی دیں تو ہمارا کام خوب چلے گا۔ تو میں نے کہا کہ دستخط وغیرہ دکھاؤ تو دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ علماء سب کالج کے پروفیسر ہیں۔ کہنے لگے کہ مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ بھی ہے وہ دیکھا تو انہوں نے حرام کا فتویٰ دیا۔ تو مولوی نے حرام کا فتویٰ دیا۔ وفاء الوفاء فی اخبار دار لنبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کتاب آج سے تقریباً آٹھ سو سال پہلے سید سموری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی۔ شاعر کہتا ہے کہ اگر کسی نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے حالات دیکھنے ہیں تو اس تاریخ کو دیکھ لے۔ اس نے بڑی احتیاط سے تاریخ لکھی۔ نباتات کے بارے میں یہ لکھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو درخت تھے وہ اتنے لمبے۔ اتنے چوڑے اور ان کی اتنی شاخیں تھیں ایک دفعہ تاریخ مرتب کر چکا تو وہ مسودہ کسی نے چرا لیا تو جو کتاب ایک دفعہ گم ہو جائے تو وہ پہلے کی طرح دو مرتب نہیں ہوتی۔ تو آج اگر یہ بہانا بنائیں کہ مکان بنانا ہے اس

لئے سودی قرضہ لیتے ہیں۔ مجبور ہیں۔ پہلے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان تو دیکھو۔ ذراع کو گز کہتے ہیں وہ لکھتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شاہی محل کیسا تھا۔ لکھتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ تین گز تھا۔ دیکھو تین گز میں آدمی لیٹ سکتا ہے۔ دیواریں آدمی کے قد سے لمبی تھیں اور چھت کیلئے کھجور کے تنے ڈالے گئے اور اوپر ایک بوری لگا دی۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ بنگلہ ہونا ضروری ہے۔ تم اگر سود لیکر دنیا کا گھر بناؤ اور آخرت کا گھر بگاڑو تو یہ تو احمقانہ سودا ہے۔ باقی سود کو جو اسلام نے حرام کیا تو اس میں بنیادی طور پر چار نقصانات ہیں۔ (1) دینی نقصانات۔ (2) اخلاقی نقصانات۔ (3) اقتصادی نقصانات۔ (4) سیاسی نقصانات۔ دینی نقصانات میں پہلا نقصان یہ کہ جو سود کو حلال کرتا ہے اس نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کا اعلان کیا۔ تو سودی کاروبار خدا تعالی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی ہے اور اس لڑائی میں کیا نقصان ہو گا وہ تم خود ہی جانتے ہو۔ دوسری چیز دینی نقصان کہ اللہ تعالی کے کنبہ سے دشمنی کرنا الناس عیال اللہ کہ لوگ اللہ تعالی کا کنبہ ہیں تو سود خور اللہ کے کنبہ سے دشمنی کرتا ہے۔ محاربۃ اللہ والرسول اور عداوۃ مع عیال اللہ سود لینے سے یہ دینی نقصان ہیں۔ (2) اخلاقی نقصان۔ اخلاق کی بنیاد۔ اخلاق کیلئے بہترین بنیادی چیز ایثار ہے۔ اور اخلاق کیلئے بدترین چیز

حرص ہے۔ ایثار کا معنی یہ کہ اپنے فائدہ پر دوسرے بھائی کا فائدہ مقدم رکھنا۔ ویوثرون علی انفسہم ولوکان بہم خصاصہ۔ صحابہ کرامؓ چاہے خود بھوکے ہوں مگر دوسرے کی بھوک کو مقدم رکھتے ہیں۔ ومن یوق شح نفسہ اور جو حرص سے بچا وہ کامیاب ہے تو اخلاق کی بنیاد ایثار پر ہوئی اور اخلاق کا نقصان حرص پر ہوا۔ اب ہم دیکھتے ہیں سود سے ایثار بڑھتا ہے یا حرص؟ یقیناً حرص بڑھتا ہے۔ بعض کتابوں میں لکھا کہ کہیں بچھو تھا ایک ہندو کو بلایا کہ اس کو مارو اس نے کہا کیا دو گے یعنی رقم کتنی دو گے۔ ہندو میں یہ لالچ سود کی وجہ سے پیدا ہوئی کیونکہ سود خوری دراصل انسان کو درندہ بنا دیتی ہے۔ اخلاق کا دوسرا نقصان یہ ہے کہ کوئی بھوکا مرے یا کسی کا گھر جل جائے تو سود خور کو پرواہ نہیں تو قساوت یعنی سنگدلی۔ سود خوری سنگدل بناتی ہے کسی کا باپ مرا پڑا ہے تو بھی رقم سود سے دے گا نہ کہ قرضہ حسنہ تو سود خوری سے شفقت ختم ہوتی ہے۔ میں نے غور کیا کہ قرآن نے چوری کرنے والے کیلئے جنگ کی دھمکی نہیں دی بلکہ سود خور کو دی۔ سوچنے پر معلوم ہوا کہ چوری کی واردات کم ہیں پوری مملکت یا ایک ڈویژن وغیرہ میں دیکھیں تو چوری کا نقصان کم ہے اور سود کو دیکھیں تو ان گنت نقصان ہے پھر دوسری بات یہ کہ چور اور ڈاکو پھر بھی انسان ہے لیکن سود خور انسان نہیں۔ کیونکہ کسی موقعہ بر عین چوری کے وقت بھی چور

شفقت کر گزرتا ہے۔ لیکن کم بخت سود خور شفقت کرتا ہی نہیں۔ اس لئے اگر آپ غور کریں تو انسانی رحمت اور شفقت سے چور اور ڈاکو محروم نہیں بلکہ سود خور محروم ہے۔ ایک آدمی پیسے قرآن پاک میں رکھتا تھا اس کے گھر میں چور آئے انہیں رقم نہ ملی تو صندوق کے قرآن مجید جو کھولا تو نوٹ ہی نوٹ تھے دل میں کہا کہ چوری نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ قرآن پاک کی ہتک ہے یہ کام ڈاکوؤں نے کیا سود خور تو قرآن سے بھی نہیں چھوڑتا۔ تو اس لئے سود خور کیلئے فرمایا یتخبطہ الشیطن من المس۔ انسانی شرف کی بنیاد دو چیزیں ہیں۔ (1) محبت الٰہی اور (2) محبت انسانی۔ سود خور میں نہ اللہ کی اور نہ انسان کی محبت ہوتی ہے۔ سود خور لوگوں کو غربت میں دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور انسانی محبت والا تو وہ ہے جو یہ کہے کہ یا اللہ خلقت خدا خوش رہے۔

خطبہ نمبر۶

جہاد

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین.

سورۃ عنکبوت کی آخری آیت ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کے متعلق خاص باتیں ذکر فرمائی ہیں:۔

تین باتوں کا ذکر ہے (۱) جہاد کا مقصد۔ جہاد ایک بہت بڑا کارنامہ ہے اسے مقصد ذہن نشین کرنا چاہیے۔ (۲) جہاد کا دینوی فائدہ (۳) جہاد کا اُخروی فائدہ۔

جہاد عربی زبان کا لفظ ہے۔ پہلے زمانہ میں بچہ بچہ اس کے معنوں سے واقف تھا۔ اب کچھ اتنا لمبا زمانہ گزرا ہے کہ ہم جہاد کے مقاصد و تصورات سے واقف نہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اسلام کی سربلندی کا تعلق جہاد سے ہے۔ ستر کروڑ مسلمان اسلام کی کشتی میں سوار ہیں۔ یہ کشتی بلند ہوئی تو پورا اسلام بلند ہے۔

کشتی پر جتنے لوگ سوار ہیں۔ اگر کشتی پانی پر بلند رہی تو سواری بھی بلند ہوگی۔ اور اگر کشتی پانی پر بلند نہ ہوئی بلکہ پانی میں ڈوب گئی تو کشتی پر سوار تمام لوگ بھی ڈوب جائیں گے۔

ہمارے آقا و مولا کا ارشاد گرامی ہے کہ اسلام کی ساری سربلندی جہاد سے وابستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ جہاد ایک ایسا ماجرا ہے کہ وہ جان کی بازی مانگتا ہے اور جان کی بازی لگانا بڑی مشکل ہے۔ کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے۔ وہ تمہاری طبیعت پر ناگوار تو ہوگا۔ مگر اس میں فائدے اور بھلائیاں بہت ہیں۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک چیز کو ناگوار سمجھتا ہے مگر اس میں خیر اور بھلائی ہوتی ہے۔ جہاد کا حکم انسان کے فائدے کے لیے ہے۔ جہاد کے ان گنت فائدے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ان فوائد پر محیط ہے۔ انسان کو تصور دیا گیا کہ یہ تجارت ہے اور تم تجارت سے کیوں دوڑتے ہو۔ اسلام کا یہ نظریہ ہے کہ موت سب سے پیاری چیز ہے۔ یہ وہ پل ہے جس پر سے گذر کر دیدار الٰہی ملتا ہے۔ صحابہ کرامؓ موت کے عاشق تھے۔ بارگاہ خداوندی میں موت کی دعا کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دوستی اور محبت کا نشان بھی یہی ہے الموت جسر توصل الحبیب الی الحبیب۔

سورۃ الجمعہ میں ہے کہ یہود سے تم کہدو۔ اگر تمہارا خیال ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے دوستی ہے تو موت کی آرزو کرو۔ مسلمان کی زندگی کا بنیادی مقصد موت سے پیار کرنا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے موت شہادت کو محبوب سمجھا آپ کی تمنا کسی اور چیز کے لیے نہ تھی۔

آپ ﷺ نے فرمایا۔ میری آرزو۔ میری دل کی تڑپ یہ ہے کہ میں راہ خدا میں شہید ہو جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر شہید ہو جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر شہید ہو جاؤں۔ جس چیز کی تمنا و آرزو سرور کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم کریں۔ وہ کس

قدر بلند مرتبہ کی چیز ہوگی۔ سب سے پہلی چیز موت کو مقصود بنا دینا ہے۔ دوسرا اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ جہاد زبردست معاملہ ہے۔ تو اسے تجارت کا مسئلہ بنا کر پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ سے کس قدر تجارت کامیاب ہے۔ ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ۔

اے قوم مجاہدین تمہاری جان اس کی ملکیت ہے۔ تمہارے ساتھ معاملہ کرتا ہوں کہ اپنی چیز خریدتا ہوں۔ اگر تمہاری موٹر تمہارے نوکر کے پاس ہے۔ کیا تم اس سے اپنی موٹر خریدو گے؟ اپنی چیز اور اپنی ملکیت نوکر سے خریدو گے؟ مگر راہ جہاد میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی جان اور مال صرف کرنا اس کا خریدار خود خدا تعالیٰ ہے وہ اپنی چیز خرید رہا ہے۔

اگر ایک چیز کی قیمت کم ہو تو خریدار بہت ہوتے ہیں اور اگر قیمت زیادہ ہو تو خریدار کم ہوتے ہیں۔

بندہ کے معنی غلام کے ہیں۔ غلام کے ساتھ ذلیل ہونا۔ بزدل ہونا مکار ہونا وغیرہ وغیرہ لازمی ہے۔

ہندو۔ چالاک۔ فریبی اور غلام کا نام ہے۔ کیا خبر تھی کہ جس قوم پر ہم نے ہزار سال حکمرانی کی وہ حاکم بن کر آئے گی اور ایشیاء کو اپنا غلام بنانا چاہیے گی۔ انگریز صرف سیاسی وقار کا بھوکا ہے۔ مگر ہندو ہماری ذات اور وقار کا بھی بھوکا ہے۔ ہمارے وطن۔ ہمارے دین کا بھوکا ہے۔ ہندو ایک اژدھا ہے۔ جو پاکستان کیا پورے ایشیاء کو ہڑپ کرنا چاہتا ہے۔ اس لڑائی میں تمام ایشیائی قوموں کی حفاظت کا احساس ہوا ہے۔

خدا تعالیٰ اس قوم کی غلامی سے بچائے۔ اس کی غلامی کبھی ختم نہیں ہوتی۔ یہ
قوم وسط ایشیاء سے آئی۔
گنگا اور جمنا کے علاقے پر قبضہ کیا اور وہاں کے رہنے والوں کو نکالا۔ اصلی
باشندوں کو وہاں سے دھکیلا۔ دیکھو ہندوستان میں شیر کو قتل نہیں کیا جاتا۔ بندر اور چوہے
وغیرہ کو قتل نہیں کیا جاتا۔ اور گائے تو ان کا خدا ہے۔ مگر مسلمان کا خون بہاتا۔ یہ ہندو ذہن
کا فرض ہے۔
وہاں کے اصلی باشندوں کو اچھوت بنایا گیا۔ تین یا پانچ ہزار سال کا عرصہ گذر
چکا ہے مگر وہ آج تک اچھوت کہلاتے ہیں۔ انہیں یہ فس دیا گیا ہے کہ تم ذلیل ترین
انسان ہو۔ آج تک وہ عزت دار انسان نہیں بن سکے ان کے ہسپتال الگ ہیں۔ ان کی
تعلیمی درسگاہیں علیحدہ ہیں۔ وہ بڑی ذات کے ہندوؤں کے سامنے بیٹھ نہیں سکتے۔ ان کی
دکانوں سے سودا نہیں خرید سکتے۔ حالانکہ مذہب دونوں کا ایک ہے۔ مگر ان کا نام شودر
(ناپاک و پلید رکھا گیا) شودر قوم کے لیے ہندوستان غم کدہ ہے۔ مذہب کی عداوت کے
متعلق ان کا یہ حال ہے کہ خود ہندو کہتا ہے کہ بدھ مذہب ہندوستان میں پیدا ہوا۔ مگر
انہیں دھکیل کر چین اور جاپان نکالا پہنچایا۔
انگریز۔ روس یا دیگر کسی کافر قوم سے جہاد کا جو مرتبہ ہے وہ ہندو قوم سے جہاد
کرنے سے کم ہے۔ یہ مہلک اور رذیل ترین بزدل دشمن ہے۔ ۵ ہزار سال سے اچھوت
ہیں۔ انسان نہیں بن سکے۔ تو پاکستان کی دس کروڑ قوم باڈر پر جا کر کٹ مرے یہ ہندو کی
غلامی سے اچھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ بیع وشرا کا معاملہ کیا۔ جہاد کا اجر جنت ہے اگر
جنت ہے۔
خدا تعالیٰ کے ساتھ خرید وفروخت کا معاملہ ہو جائے تو جان کے بدلے
جو آدمی جہاد میں اتنا وقت صرف کرے جو تھن دوہنے میں ایک دھار سے
دوسری دھار کے نکلنے تک کا وقفہ ہے۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد گرامی
ہے کہ اس کے لیے جنت واجب ہے۔ جہاد جنت میں جانے کا مختصر راستہ ہے۔ امراؤ
نوابی کا راستہ نہیں ہے۔
آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ جہاد میں کپڑوں پر جو معمولی گرد وغبار لگا ہوا ہوتا
ہے۔ اسے دوزخ کا دھواں بھی نہیں لگے گا۔
توریت اور انجیل میں بھی قرآن والا وعدہ ہے کہ جو جہاد میں جانی ومالی قربانی
دے گا۔ اس کے لیے جنت ہے۔
حدیث شریف ہے کہ جنت کو تو لوگوں نے نہیں دیکھا۔ جنت کی ایک چابک
برابر جگہ کی قیمت پوری دنیا ومافیہا کی قیمت سے بڑھ کر ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ جو ہمارے لیے جہاد کرے گا۔ اللہ اس کے ساتھ
ہوگا۔
نصب العین یہ ہو کہ جہاد اللہ تعالیٰ کے لیے کرتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ
علیہ والہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ جنگ مختلف مقاصد کے لیے لڑی جاتی ہے۔ وہ جنگ
جس کا نام جہاد ہے وہ کونسی جنگ ہے؟
فرمایا کہ جو اس خیال سے لڑی جائے کہ خدا تعالیٰ کا دین اونچا ہو۔ وہ جہاد
ہے۔ وہ غازی ہے۔ کفار کی لڑائیاں شیطان کے لیے لڑی جا رہی ہیں۔ وہ جہاد نہیں۔

اس کے لیے جہنم ہے۔

جہاد کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ جو آدمی جہاد کے لیے جائے چاہے وہ اپنی موت بھی مرے۔ مگر وہ شہید ہے۔

حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ، یہ نوجوان تھے یتیم تھے ان کی پرورش مشرک چچا کرتا تھا۔ جب حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو یہ بچہ اداس رہنے لگا۔ چچا نے پوچھا کیا وجہ ہے کہا جو وہ چاند کے چہرے والا محمدؐ تھا نا وہ نظر نہیں آتا۔ چچا تو آپ کا سخت دشمن تھا۔ اس نے مارا اور کہا اگر تو اسلام لایا تو تجھے مال و دولت نہیں دوں گا۔ اس نے کہا مال تجھے مبارک ہو اور ایمان مجھے مبارک ہو۔ چچا نے بدن پر سے کپڑے بھی اتار لیے۔ رات کو چاندنی کے سائے میں اپنی بوڑھی والدہ کے پاس جا رہے ہیں۔ ماں نے دیکھا تو اس کے پاس ایک کمبل تھا۔ اسے پھاڑ کر دو کر دیے ایک تہبد کے طور پر باندھا اور دوسرا اوپر اوڑھا۔ اس لیے آپ کو ذوالبجادین کہتے ہیں یعنی دو کمبلوں والا۔ والدہ کو واقعہ سنایا اور مدینہ ہجرت کی اجازت مانگی۔ ماں بوڑھی تھی اس نے کہا بیٹا۔ اب میں سفر تو نہیں کر سکتی مجھے بھی کلمہ پڑھاتے جا سبحان اللہ۔ پھر ایک پہر دن گذر چکا تھا۔ یعنی تقریباً ۹ بجے دن کا وقت تھا یہ اللہ کا بندہ مکہ سے روانہ ہوا۔ مسجد نبویﷺ میں ظہر کی نماز سے پہلے پہنچ گیا، یہ ان کی کرامت تھی۔

حضرت عمرؓ نے ذرا تشویش ظاہر کی کہ یہ اجنبی آدمی ہے۔ کہیں بری نیت سے تو نہیں آیا۔ مگر حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا اسے کچھ نہ کہا جائے۔ نماز کے بعد مسلمان ہو گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس رہنے لگے۔ رات کو ذکر اللہ اتنی اونچی آواز میں کرتے تھے کہ مدینے کے بچے خوف کے مارے چیختے تھے۔ جس پر

حضرت عمرؓ نے اعتراض کیا۔ مگر آپ نے فرمایا عمرؓ اسے اپنی حالت پر رہنے دو۔

اتنے میں جنگ تبوک آ گئی۔ دشمن تین لاکھ فوج لایا۔ آپﷺ کے پاس تیس ہزار جاں نثار تھے۔ صحابہ کرامؓ نے دل کھول کر مالی امداد دی۔ ایک ہزار دینار حضرت عمرؓ نے پیش کیے ان میں عبداللہ ذوالبجادینؓ بھی تھے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا یا اللہ! اے خالق کائنات عبداللہ ذوالبجادین کے خون کو ہر کافر سے محفوظ فرما۔ اس نے عرض کی میں تو شہادت کی دعا چاہتا تھا۔ آپ نے فرمایا جو مجاہدین اور غازیوں کے ساتھ شامل ہو جائے وہ چاہے بخار سے بھی مرے شہید ہوگا۔ آپ نے فرمایا کیکر کے درخت کا چھلکا لاؤ۔ اسے صحابیؓ کے دائیں بازو پر باندھ دیا اور فرمایا یہ تمہاری شہادت کی نشانی ہے۔ اس صحابیؓ کو بخار ہو گیا اور فوت ہو گیا۔ سبحان اللہ اس کی وفات کی یہ شان تھی کہ ہر صحابیؓ رو رو کر کہہ رہا تھا کہ یا اللہ اس طرح کی موت تو مجھے آتی۔ کہ ابوبکرؓ و عمرؓ وغیرہ قبر کھود رہے ہیں اور ہدایات خود رحمۃ للعالمینﷺ فرما رہے ہیں کہ اپنے بھائی کی قبر کشادہ کھودو۔ حضرت بلالؓ ابن حارث فرماتے ہیں۔ چونکہ رات کا وقت تھا۔ تاریکی تھی میں ذرا پریشان ہو کر آیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ قبر تیار ہو جانے کے بعد خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عبداللہ ذوالبجادینؓ کی میت اٹھا کر ابوبکرؓ و عمرؓ کو دی۔ سبحان اللہ ہر صحابیؓ رشک کر رہا تھا اور آپﷺ فرما رہے تھے۔ اے ابوبکرؓ و عمرؓ تم اپنے بھائی کی لاش سے نرمی کریں۔ آخر میں حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے قبر پر کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھائے دعا فرمائی۔ یا اللہ میں عبداللہ ذوالبجادین سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو۔

مطلب کہنے کا یہ ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ جو مجاہدین کی جماعت میں شامل ہو جائے۔ چاہے اپنی موت مرے وہ بھی شہید ہے۔

والـذين جاهدوا فينا لنهدينهم سبلنا و ان الله لمع المحسنين ۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کا دین اونچا کرنے کے لیے جہاد کرے۔ اسے اللہ کے دین کی سربلندی مقصود ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید کے اجر کا مستحق ہے۔

شاہ عبد العزیزؒ ایک مریض کی عیادت کو گئے۔ کمرے میں پہلے کھڑکی نہ تھی۔ مگر اب کھڑکی موجود تھی۔ اس نے کھولی آپ نے کھڑکی کی وجہ دریافت فرمائی۔ کہا کہ تازہ ہوا کے لیے فرمایا کاش کہ تیری نیت اذان کی آواز سننے کی ہوتی۔ تاکہ ثواب ملتا۔ ہوا نے ہر حالت میں آنا ہی تھا۔ مقصد ہے کہ ہمارے ہر فعل میں رضائے الہیٰ مقصود ہو۔

کامیابی کا راستہ روس اور امریکہ نہیں بتلا سکتے۔ بلکہ حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم بتلا سکتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے لیے جہاد لڑا تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔

اگر امریکہ اور روس کہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں تو کتنا حوصلہ بلند ہو گا لیکن اگر اللہ تعالیٰ خود ساتھ ہو تو پھر کتنی بڑی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر میں تمہاری مدد کروں تو پوری کائنات تم پر غالب نہیں آ سکتی اور اگر میں تمہاری مدد چھوڑ دوں۔ تو کوئی بھی تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کافی ہے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے ۶۰ آدمیوں کی معیت سے ۶۰ ہزار سے لڑائی لڑی ہے۔ زیدؓ ابن حارث نے تمیں ہزار کی معیت سے تین لاکھ کے ساتھ جنگ لڑی۔ یہ جنگ حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زندگی میں لڑی گئی۔ فوج کی ترتیب کے بعد سپہ سالاروں سے مشورہ کیا گیا اور مدینے سے مدد منگوائی گئی۔

ہم دین کی طاقت پر لڑتے ہیں۔ اپنی طاقت پر نہیں لڑتے۔ ہم رحمٰن کے سپاہی ہیں۔ دشمن شیطان کا سپاہی ہے۔ حضرت زید ابن حارث اور حضرت جعفر ابن ابی طالب

اسی جنگ میں شہید ہوئے۔ آخر میں عبد اللہؓ ابن رواحہ سپہ سالار ہوئے۔ دشمن کی فوج دیکھ کر آپ کا دل کچھ گھبرایا۔ کہا اے لشکر تم گواہ رہو۔ میں نے اپنی کل جائیداد وقف کر دی ہے۔ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے اور غلام کو آزاد کر دیا ہے۔ پھر نفس سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اب بتا نفس کیا تو اب بھی خوف زدہ ہو گا۔ تو ڈرے گا؟ انہوں نے بھی شہادت پائی۔

پھر حضرت خالدؓ نے جھنڈا اٹھایا۔ فوج کو نئی ترتیب دی۔ ۴۸ گھنٹے لڑائی لڑی۔ آخر کار تین لاکھ فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ حضرت زیدؓ ابن حارث شہید ہوئے۔ حضرت جعفرؓ ابن ابی طالب شہید ہوئے۔ حضرت عبد اللہؓ ابن رواحہ شہید ہوئے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت خالدؓ کو فتح عطا کی۔ اس موقع پر حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔ خالد سیف اللہ کہ خالد اللہ کی تلوار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تلوار توڑی اور موڑی نہیں جا سکتی۔ اسی لیے حضرت خالدؓ سیف اللہ نے اپنی طبعی موت پائی۔ کوئی انہیں شہید نہ کر سکا۔ کیونکہ پیغمبرؐ نے سیف اللہ کا خطاب عطاء کیا تھا۔ اور پیغمبرؐ کی بات میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ خواب میں سب شہیدوں کو جنت کے تخت پر دیکھا گیا۔ حضرت عبد اللہؓ ابن رواحہ کا تخت کانپ رہا تھا۔ یہ وہ ڈر تھا جو شہادت سے پہلے ان کا دل کانپ رہا تھا۔ جو اللہ تعالیٰ سے دل سے شہادت مانگے چاہے وہ اپنی طبعی موت مرے۔ مگر اللہ تعالیٰ اسے شہیدوں کا مقام دے گا۔

خطبہ نمبر ۷

زندگی متحرک ہے

یاایھاالانسان انک کادح الی ربک کدحا فملاقیہ.

وقت آجکل بہت قیمتی ہے۔ بے قدری کے اعتبار سے بے قیمت بنا ہوا ہے۔ مسلمان کے بدلے ہوئے دماغ میں یہ بات سما گئی ہے کہ جو وقت دنیا کے کاموں میں صرف ہو وہ قیمتی ہے۔ اور جو دین کے کام میں صرف ہو وہ بے قیمت ہے۔ حالانکہ زندگی کا جو حصہ دین میں صرف ہو وہ دراصل قیمتی ہے۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم گھر میں تشریف لائے۔ ایک بکری خیرات کی گئی۔ بڑی بڑی بوٹیاں بنائی گئیں۔ ایک سائل آیا کچھ بوٹیاں اسے دیں۔ دوسرا آیا کچھ اسے علی ہذا القیاس صرف ایک دستی گھر کے لیے رکھ دی۔ یعنی کثیف کا حصہ۔ آپ ﷺ نے پوچھا گھر میں کچھ باقی ہے۔ عرض کی گئی کہ ایک دستی باقی ہے۔ باقی سب بکری تقسیم کر دی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا یوں کہوں کہ بکری بغیر دستی باقی ہے۔ یعنی جو راہ خدا میں صرف کی وہ باقی ہے اور جو گھر پڑی ہے وہ باقی نہیں۔

دنیا فانی ہے۔ دنیا کی ہر چیز فانی ہے۔ دین کا ایک ایک کام سب اللہ تعالیٰ کے لیے اللہ کو چھوڑ کر باقی سب فانی ہے۔ تو یا باقی سے جڑ جاؤ یا فانی سے جڑ جاؤ۔ تمہاری مرضی۔ جو بھی فیصلہ کرو۔ زندگی کا وہ وقت قیمتی ہے جو دین میں صرف ہو۔

یا اللہ! ہم گواہ ہیں کہ تو نے اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بالکل سچ فرمایا ہے دین کے حاصل کرنے کے لیے صبح یا شام کا وقت صرف کیا جائے۔ یہ کمائی کل دنیا کی کمائی سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے آج یہ قیمتی مضمون بیان کرنا تجویز کیا۔ وہ ہے (زندگی)

تمام کاروبار زندگی کے لیے ہیں دوکاندار زندگی کے لیے کماتا ہے۔ کسان زندگی کے لیے ہل جوتتا ہے۔ فوج زندگی کے لیے لڑتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ پوری کائنات میں ہر شئے کی حرکت زندگی کے لیے ہے۔ اگر زندگی نہ ہوتی تو دنیا کا سارا کارخانہ درہم برہم ہو جاتا۔ نہ کالج ہوتے نہ یونیورسٹیاں، نہ صدر ہوتے، نہ چپڑاسی وغیرہ۔ انبیاء کی تعلیمات بتلاتی ہیں کہ یہ سب کچھ زندگی کے لیے ہے۔ مگر زندگی کس چیز کے لیے ہے۔

(۱) مقصد حیات، (۲) زندگی کیا چیز ہے، (۳) کیفیت حیات یا کیفیت زندگی۔ کہ زندگی اپنی جگہ ٹھہری ہوئی ہے یا چل رہی ہے۔ ساکن ہے یا متحرک ہے۔ اگر عمل کے اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ زندگی ساکن ہے۔ آخر دم تک ٹھہری رہے گی۔ یہ دنیا کے اسٹیشن پر ہمیشہ ٹھہری رہے گی۔ ایک چیز اگر حرکت کرتی ہے۔ تو سوال ہوتا ہے کہ اس کی منزل مقصود کیا ہے۔ خیبر میل وغیرہ چلتی ہیں تو ان کی منزل مقصود بھی ہے۔ تو سب سے بڑا فیصلہ یہ کرنا ہے کہ زندگی ساکن ہے یا متحرک ہے؟

قرآن نے اس پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ جاتا ہے کہ یہ زندگی فانی ہے یاایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملاقیہ، فرماتا ہے کہ خواہ کوئی ہو سب کی زندگی متحرک ہے کہ تو تکلیف اٹھا اٹھا کر دوڑ رہا ہے۔ اور منزل مقصود کیا ہے؟ الی ربک کدحا فملاقیہ، چیز جہاں سے آتی ہے وہاں ہی جاتی ہے۔

بارش کو دیکھو کہ سورج کی شعاعیں یا تپش سمندر پر پڑتی ہیں۔ بخارات اٹھتے ہیں اوپر جا کر، بادل کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ بارش برستی ہے ندی نالوں کے ذریعے دریاؤں میں آتی ہے۔ سیراب کرتا ہوا پانی سمندر میں جا گرتا ہے۔ جہاں سے آیا تھا وہیں پہنچ گیا۔

ہم خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں۔ سب نے وہاں ہی لوٹ کر جانا ہے۔ رجوع۔ پہلے مقام پر لوٹ آنے کو رجوع کہتے ہیں۔ اللہ سے ضرور ملنا ہوگا۔ فملاقیہ کہ اللہ سے ملاقات ہوگی۔ یعنی ملنا ہوگا۔

اس دنیا میں تمہاری پرورش ہوگی۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں لایا یہ ایک حرکت ہوگی۔ پھر واپس لے جانا یہ دوسری حرکت ہوئی۔ زندگی حرکت کا نام ہے۔ شکم مادر سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ ایک حالت پر قائم نہیں رہتا۔ بلکہ بڑھتا رہتا ہے۔ اسے حرکتِ ارتقائی کہتے ہیں۔ بچہ بڑھتا جاتا ہے۔ بڑھتے بڑھتے جوان ہو جاتا ہے۔ حرکت زندگی کے لیے لازم ہے۔ اس حرکت کو کوئی روک نہیں سکتا۔ پھر جوانی کے بعد انحطاط شروع ہو جاتا ہے۔ یعنی کمی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ نظر کم ہوگئی۔ کمر خم کھا گئی دانت ٹوٹ گئے وغیرہ وغیرہ یہ تنزلی والی حرکت ہے تاکہ عطا کردہ قوتیں واپس چھین لیں۔ یہ سب عطیہ رب العالمین ہیں کوئی تمہاری جائیداد نہیں۔

عقل و حواس ہوش و خرد پہلے جاچکے اب ہم بھی جانے والے ہیں ساماں ہوگیا ہے
(داغ)

بدنی قوت، دماغی قوت، سننے کی قوت وغیرہ سب بڑھاپے کے آتے ہی جاتی رہتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس حرکت کو عجیب نمایاں کیا۔ زندگی سانس لینے کا نام ہے۔ سانس ساکن ہو جائے تو آدمی مر جاتا ہے۔ سانس کے ساتھ آکسیجن اندر لے جانا ہوتا ہے اور کاربن ڈائی آکسائیڈ باہر نکالتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دل کو جتنی چابی دے رکھی ہے اتنی مدت تک چلے گا۔ چابی ختم ہوئی تو دل ٹھہر جائے گا۔

ہر ذرہ چمکتا ہے انوارِ الٰہی سے
ہر سانس یہ کہتا ہے ہم ہیں تو خدا بھی ہے
(اکبرؔ)

حرکت کے لیے محرک کا ہونا ضروری ہے۔ گاڑی کو اسٹیشن پر حرکت دہندہ سے پہنچایا جاتا ہے۔ ہماری زندگی کو اللہ رب العالمین حرکت دیتا ہے۔

زندگی ٹھہری ہوئی نہیں۔ کیونکہ وقت جا رہا ہے۔ پیدائش سے موت تک حرکت ہے۔ دنیاوی زندگی تو تکالیف سے پُر ہے اس کے بعد اُخروی زندگی کا جو دور آنے والا ہے۔ وہ خوشی کا دور ہے۔ کافر دنیا کی زندگی پر مست ہیں اور اسی پر اطمینان کرتے ہیں۔

قرآن کا بیان کہ اے انسان تو بوجھ اٹھا اٹھا کر اللہ تعالیٰ کو جا ملے گا۔ پیدائش شکمِ مادر میں ہوئی جو تنگ مکان ہے۔ دنیا میں آئے تو یہاں زندگی تو ہے۔ مگر زبان نہیں کہ اپنی غمی وخوشی کا اظہار کریں۔ ذرا سمجھ بوجھ آئی تو مدرسہ بھیج دیا کہیں استاد نے مارا اور کہیں ماں باپ نے۔ جوان ہوا تو نکاح ہوا۔ پھر بیوی کو کما کر کھلاتا رہا۔ پھر اولاد کی پرورش شروع ہو گئی۔ وغیرہ وغیرہ تو زندگی چل رہی ہے۔ مگر تکلیف اٹھا اٹھا کر۔ صدر مملکت کو ہم سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ جتنا سامان زیادہ ہوگا اتنی تکلیف زیادہ ہوگی۔

اس لیے امراء کی زندگی پریشانی سے گذر رہی ہے۔ دہلی میں خون خرابہ ہوا تو امراء پریشان ہوئے مگر گودڑی والے فقیر نے کہا کہ ہم اپنی گودڑی اٹھا کر لاہور چلے جائیں گے۔ مقصد یہ ہے کہ اس کا سامان مختصر ہے اسے کوئی تکلیف نہیں۔

بسیار دنیا فراواں غم است

ایک پیسہ ہو تو ایک غم۔ اگر پانچ پیسے ہوں تو پانچ غم۔ ایک مربعہ زمین ہو تو ایک غم اور اگر پانچ مربعہ زمین ہو تو پانچ غم۔

ترمذی شریف کی حدیث پاک ہے۔ فرمایا پیچھے کو بھاگ رہی ہے اور آخرت سامنے کو آ رہی ہے۔

بہاول پور سے آپ گاڑی میں سوار ہوں تو دیکھیں گے کہ گاڑی آگے جا رہی ہے اور بہاول پور پیچھے جا رہا ہے۔ تو زندگی کی گاڑی آخرت کی طرف متوجہ ہے۔ دنیا کی زمین پیچھے بھاگی جا رہی ہے دنیا جو ہمیشہ رہنے والی نہیں۔ اس میں کوشش کرنا بے کار ہے اور جو دنیا آ رہی ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے وہ ہمیشہ کار آمد ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ فرمایا اے عمرؓ ایسی زندگی گزارو کہ تم مسافر ہو۔ اصلی وطن جنت ہے۔ دنیا میں تو ہم مسافر ہیں یا آدم اسکن انت و زوجک الجنۃ کہ اے آدمؑ تم دونوں میاں بیوی جنت میں رہو۔ ابا جان آدمؑ کا اصلی وطن جنت ہے۔ اصلی وطن کی محبت دین ایمان ہے۔ وطن وہ ہے جو ہمیشہ رہنا ہو اور مسافر خانہ وہ ہے جہاں کچھ مدت رہنا ہو۔ اس لیے دنیا مسافر خانہ ہے۔

اس وقت دنیا کی آبادی ۲/۱/۲ارب ہے۔ گویا دنیا کا مسافر خانہ اتنا بڑا ہے کہ اس میں ۲/۱/۲ ارب لوگ رہ سکتے ہیں۔اب چاند کی تلاش بھی کی جا رہی ہے۔ جتنا عالم بالا میں پہنچیں گے ان کے لیے اتنا زیادہ عذاب ہوگا۔ عالم دنیا کو تو گندہ کر دیا۔ اب عالم بالا کو آلودہ کرنا چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے کام کو عجیب انداز سے سرانجام دیتے ہیں۔ ہماری طرح اسے کسی فوج کی ضرورت نہیں وہ جنہیں تباہ کرنا چاہتا ہے تو خود انہیں کے ہاتھوں تباہی کا سامان تیار کرا لیتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ ہمیں کسی فوجی خدمت کی ضرورت نہیں۔ ہم خود انہیں سے یہ کام لے سکتے ہیں۔ یہ اشارہ سورۃ یٰسین میں ہے کہ بڑے بڑے آدمی یا قوموں کی تباہی کے لیے ہمیں کسی کی خدمت کی ضرورت نہیں بلکہ یہ کام ہم خود انہیں سے لے سکتے ہیں۔ آج عظیم الشان بڑی بڑی طاقتیں جو سائنس کے نام پر ابھر رہی ہیں۔ درحقیقت یہ اپنی تباہی و بربادی کا خود سامان تیار کر رہی ہیں۔ حقیقت میں سائنسی چیزوں کا موجد اللہ تعالیٰ ہیں۔ سائنس دان کا تو صرف اتنا کام ہے کہ ایک تصور کی طرف دماغ متوجہ کر لے۔ آگے راستہ اسے قدرت عطا کرتی ہے۔ تو یہ ایٹم بم یا ہائیڈروجن بم بنانے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔

یہ بم کسی جشن بنانے کے لیے نہیں بنائے گئے بلکہ انسان کی ہلاکت و بربادی کے لیے بنائے گئے ہیں۔ جب سے بارود ایجاد ہوا ہے اور دنیا کی گذشتہ جنگوں میں جو بارود استعمال ہوا ہے۔ وہ تمام کا تمام آج کے ایک ہائیڈروجن بم سے طاقت میں کم ہے۔ انسانی ہلاکت کا سامان تیار پڑا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہے دس منٹ میں دنیا غائب ہو جائے گی۔ جہاں ایسا بم پڑے گا وہاں ایک لاکھ سال تک نہ کوئی درخت اُگ

سکے گا اور نہ کوئی غلہ کی پیداوار ہو سکے گی۔

دیکھو زندگی مٹنے والی ہے۔ اس پر خوشی مت مناؤ جانا ضروری ہے وقت آ چکا ہے۔ عجب نہیں کہ ہم بھی یہ تباہی دیکھ لیں گے۔ یہ دین سے تمسخر اُڑانے کا انجام ہے۔ اب آسمان سے لشکر اتارنے کی ضرورت نہیں جن کو آج عقلمند کہا جاتا ہے۔ ان بیوقوفوں نے دنیا کی تباہی کا سامان تیار کر رکھا ہے۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے خود خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیاں ہوگا ناپائیدار ہوگا

عوام قربانی کا جانور بن گئے ہیں۔ یہ سب مقلب القلوب کے ہاتھ میں ہے۔ سائنس نے زندگی کو زیادہ تلخ بنا دیا ہے۔ زندگی متحرک ہے۔ چل رہی ہے۔ اس حرکت کا مقصد یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے۔ ہماری زندگی چل رہی ہے۔ کہاں پہنچے گی۔ قبر و آخرت کی طرف۔ اگر زندگی بُری ہے یعنی اعمال بُرے ہیں تو اس کا آخری ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اگر اچھے اعمال ہیں اور نیک زندگی ہے۔ تو اس کا آخری ٹھکانہ جنت ہے۔ دانہ قیمتی اور بھوسہ کم قیمت والی چیز ہے۔ ردی لوگ زیادہ ہوتے ہیں اور اچھے لوگ کم ہوتے ہیں۔ اس لیے بُرے لوگوں کی کثرت تعداد سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے فرمایا ہے کہ جب گندم کو روندھا جاتا ہے تو دانے اور بھوسہ الگ ہو جاتے ہیں۔ دانے انسان کے پیٹ میں اور بھوسہ جانوروں کے پیٹ میں جاتا ہے۔

اسی طرح قیامت کا زلزلہ آئے گا۔ وہ دنیا کی انسانی کھیتی کو ریزہ ریزہ کر دے گا۔ نیک اور بدلوگ الگ الگ ہو جائیں گے۔ ایک کا ٹھکانہ دوزخ اور ایک کا ٹھکانہ

جنت ہوگا۔ تو اصل ٹھکانہ جنت یا دوزخ ہے۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ یہ آخرت کی زندگی کے کمانے کا سامان ہے۔ اس کا دین سے تعلق ہے۔ اسے دین والوں سے سیکھو۔ ان کے بجز کچھ نہیں ہوسکتا۔ دنیاوی علوم سیکھنے کے لیے بھی استاد چاہیے۔ یہ تو دینی علوم ہیں۔ یہاں تو معلم اور مرشد کی ضرورت ہے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم نقشبندیہ خاندان کے استاد ہیں۔ دین علماء سے سیکھو اور دین والوں سے دل کی صفائی بھی سیکھو۔ بلا استاد کارروائی نہ کرو۔ استاد تمہاری اصلاح کرتا ہے۔ خودرومت بنو۔

جتنے خودرو درخت ہیں ان کا پھل نہیں ہوتا۔ اگر ہوتا ہے تو کڑوا ہوتا ہے۔ آم، مالٹا، سنگترہ وغیرہ کے درخت میٹھے پھل دیتے ہیں۔ پہاڑ کے خودرو درختوں کا پھل کڑوا ہوتا ہے۔

یہ موجودہ زمانہ آخرت کے قریب کا زمانہ ہے۔ بڑی بدقسمتی ہوگی کہ اگر حیات ابدی کے لیے سعی وکوشش نہ کی۔ حضرت فریدالدین عطارؒ نے حضرت آدمؑ کا قصہ بیان کیا ہے کہ ایک شخص آیا معلوم ہوا کہ اس کے پاس بہت سا مال و دولت جمع ہے تو پیغمبرؑ نے فرمایا مال تو تو نے جمع کرلیا۔ زندگی بھی جمع کی ہے۔ جو ضروری ہے۔ مال کماؤ۔ مگر زندگی سادہ بسر کرو۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ جس نے سادہ زندگی گزاردی۔ وہ غریب نہ ہوگا۔

حضرت عائشہؓ سے تم نے نہیں پوچھا فرماتی ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور آپ کا سارا خاندان جو کی روٹی سے بھی سیر نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کو جا ملے۔ صرف روٹی، بغیر سالن کے۔

ایک بار قحط پڑا۔ حضرت عمرؓ نے گوشت کا استعمال چھوڑ دیا۔ دوسرے وقت زیتون کا استعمال بھی چھوڑ دیا۔ فرمایا۔ میری رعیت میں جب تک ہر شخص کو یہ دونوں

چیزیں میسر نہ ہوں گی میں نہیں کھاؤں گا۔

صحابہ کرامؓ نے سادہ زندگی گزاردی۔ تاریخ میں ہے ایک بار امیرالمومنین تشریف لائے تو کپڑوں میں ۶۸ پیوند لگے ہوئے تھے۔

آج اگر کوئی پیوند لگائے تو وہ خود بھی شرمائے گا۔ ماحول بدل گیا ہے۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو خطاب فرمایا کہ کسی کپڑے کو تم پرانا سمجھ کر مت پھینکو جب تک تو اس میں پیوند لگا سکتی ہے۔ اگر سادہ زندگی اختیار کریں تو تھوڑی چیز بھی کافی ہوجائے گی۔ آخرت کی زندگی کا انتظام کرنا چاہیے۔ موت کا وقت مقرر نہیں۔ نہ معلوم کس وقت آ پہنچے۔ بلا آخر عمل ہی کام آئے گا۔

موطا امام مالک اور مسند احمد کا قول ہے جب حضرت عمر فاروقؓ فوت ہوئے تو اس وقت آپؓ نے ۲۲ لاکھ ۵۵ ہزار مربع میل کا علاقہ فتح کیا ہوا تھا۔ یعنی سات پاکستانوں کے برابر۔ آپؓ کا عدل مشہور تھا۔ ان کے بارے میں پیغمبرؐ کا فرمان ہے اگر پیغمبری کا دروزاہ بند نہ ہوتا تو عمرؓ کو پیغمبری ملتی۔ اور ان کے مفتوحہ علاقوں میں اب تک اسلام کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔

حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان کی وفات کے بعد یہ خواہش رہی کہ خواب میں ملاقات ہو۔ تو تین سال بعد دیکھا کہ آپ کی پیشانی پر پسینہ تھا حال بتلایا کہ اب حساب دے کر فارغ ہوا ہوں۔ یہ پسینہ وہاں کے رعب کا اثر ہے۔ فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا عمرؓ تو ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا۔ یہ تو اس ہستی کا حال ہے۔ ہمارا کیا ہوگا؟

اِنسانی زندگی کی کوششوں کا جائزہ

والعصر ان الانسان لفی خسر الاالذین امنوا و عملوا الصلحت وتواصوابالحق وتواصوابالصبر. یہ قرآن کے آخری پارہ کی مختصری سورۃ ہے۔اس میں انسانی زندگی کی کوشش کا جائزہ لیا گیا ہے۔انسان جب سے دنیا میں آیا ہے وہ معطل اور بیکار نہیں ہے بلکہ کسی نہ کسی کام میں مشغول ہے اور سنِ شعور کے بعد وہ اس قدر مشغول رہتا ہے کہ اس کی تمام قوتیں زندگی کے مشاغل میں صرف ہوجاتی ہیں اور موت کے بعد جا کر کہیں فارغ ہوتا ہے۔ لقد خلقنا الانسان فی کبد۔ کہ میں نے انسان کو تکلیف میں پیدا کیا ہے۔

ا۔شکمِ مادر کی تکلیف۔ جہاں ماں باپ کوئی کچھ نہیں کرسکتا چاہے غریب ہو چاہے امیر۔ اور بچہ پیدائش کے بعد بھی اپنی تکلیف بیان نہیں کرسکتا۔ اس کے بعد امراض کا جال بچھا ہوا ہے۔ اور خاص کر جب سے یورپ کی لعنتی تہذیب آئی ہے تو امراض کی بہتات ہے اور جہاں یہ تہذیب نہیں وہاں امراض نہیں بلکہ تندرستی ہے۔ مثلاً آزاد قبائل میں امراض بہت کم ہیں۔ جہاں ہسپتال زیادہ ہیں وہاں امراض بھی زیادہ ہیں۔ تو معلوم ہوگیا کہ جہاں انسان نے دخل دیا خود ذمہ داری سنبھالی تو غیبی امداد ختم ہوگئی۔

تو بچہ جب تک ماں کے پیٹ میں ہے تو اسے کوئی مرض لاحق نہیں اور باہر آیا تو امراض میں گھر گیا۔ تو مطلب یہ کہ ماں کے پیٹ میں تھا تو خدا کے حوالے تھا۔ کارساز اللہ تعالیٰ تھا اور اب جب کچھ کارسازی ماں باپ نے لی اللہ نے اپنی امداد اٹھالی۔ تو جہاں ڈاکٹر زیادہ ہوں وہاں امراض بھی زیادہ رکھی آخر ڈاکٹروں کو رزق بھی دینا ہے۔

بہرحال امراض کا سلسلہ انسان سے الگ لگا ہوا ہے۔ اور یہ ساری دوڑ کس لیے ہے یہ صرف خوشی کے حصول کے لیے ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ انسان کو کسی دور میں خوشی نصیب نہیں ہوئی۔

نپولین ایک جزیرے میں تنہائی میں مرا۔ اس نے موت کے وقت کہا کہ حکومت ملی اور چھن گئی مرنے تک مجھے خوشی نصیب نہیں ہوئی۔ ہارون الرشید کی سلطنت مراکش سے کشمیر تک تھی۔ اس نے اپنی قبر اپنی زندگی میں بنوائی۔

اس میں ختم قرآن کیے اس کے بعد حکم دیا کہ مجھے مردہ لاش کی طرح اس میں لٹا دو۔ تو قبر میں ڈالتے وقت اس نے کہا کہ میں نے بہت بڑی سلطنت کی حکمرانی کی ہے تو سلطنت کے دوران کوئی ایسا دن نہیں آیا جس میں تلخی نہ ہوئی ہو۔

حاکم اندلس عبدالرحمٰن نے موت کے وقت کہا کہ میں نے اندلس پر سلطنت کی مگر معلوم ہوا کہ حاکمیت تو مصیبت ہے۔ یہی الفاظ عبدالمالک کے ہیں کہ سوچا تھا کہ سلطنت میں خوشی نصیب ہوگی مگر نصیب نہیں ہوئی۔

سکندر اعظم کی تاریخ میں لکھا ہے کہ میری زندگی میں خوشی کے صرف تیرہ دن ہیں۔ تو مرتے وقت ہر انسان کام سے فارغ نہیں ہوسکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں ایک کام بتلاتا ہے کہ دنیوی دھندوں کے علاوہ میں تمہیں ایک بات بتلاتا ہوں اور میں تمہارا خالق

ہوں۔ تم کو مجھ جیسا کوئی مہربان نہ ملے گا۔ تو میں ایک کام کی چیز بتلاتا ہوں۔ یورپ ہم سے زیادہ مشغول ہے اور وہ اللہ کی مخلوق بھی ہے مگر اسے انسانی زندگی کا آغاز و انجام معلوم نہیں۔

بہرحال پوری دنیا کی زندگی مشغولیت کی ہے۔ ایک صاحب نے لکھا ہے کہ یورپ کے پاس وقت نہیں۔ یعنی وعظ و نصیحت سننے کے لیے وقت نہیں اس لیے وہ راستے پر نہیں آسکتے۔ یعنی حضرت عیسیٰ کی بات سننے کے لیے وقت نہیں۔ ہم بھی ایسی بات سے حیران تھے کہ یورپ کی تہذیب کی وجہ سے کہیں مسلمان بھی یہ نہ کہہ دیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بات سننے کے لیے وقت نہیں۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا واقعہ یاد آیا ہے۔ پہلے یہ بتلاؤں کہ ویت نام اور چین وغیرہ سے لیکر پوری دنیا میں اسلام دیوبند کے مدرسہ کی وجہ سے پھیلا ہے۔ اب مجھے یورپ سے اطلاع ملی ہے کہ اگر انگریز دیوبند کا مدرسہ نہ کھولنے دیتا تو دین اور مسلمان ختم ہو جاتے۔ دیوبند میں ایک طالب علم پڑھتا ہے جو چین میں کاشغر کے علاقے کا رہنے والا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کیسے علم ہوا کہ دیوبند میں دینی تعلیم کا مرکز ہے۔ اس نے کہا کہ ہمارے ہاں تو دیوبند اتنا مشہور ہے کہ اتنا تو دہلی کو بھی کوئی نہیں جانتا وہ کہنے لگا کہ ہمارے ہاں کاشغر سے ایک سیاح ہندوستان آیا تو واپسی پر جب اس نے دہلی کے حالات سنائے تو لوگوں نے پوچھا کہ دہلی کہاں ہے تو اس نے کہا کہ دہلی دیوبند کے قریب ہے۔ ہمارے ہاں تو دیوبند کا اتنا چرچا ہے۔

انگریز خود تو کچھ نہ کر سکتے تھے مگر دنیا کے کتے پیچھے لگا دیتے تھے۔ عیسائی دنیا اعتراف کرتی ہے وہ کہتی ہے کہ تم عربی مدارس کو حقیر و ذلیل نہ سمجھو۔ دیوبند اور سہارنپور

کے عربی مدارس تو دین کے پہلوان تیار کر رہے ہیں۔ یہ کافر اقرار کر رہے ہیں۔ تو بتلانا یہ تھا کہ دنیا میں شغل ہے۔ مگر قیامت میں پرسش ہوگی۔ اللہ میاں پوچھیں گے کہ عمر کہاں صرف کی۔ اولم نعمر کم مایتذکر فیہ من تذکر و جاء کم النذیر۔ کہ قرآن و حدیث اور ان کے سنانے والے آچکے تھے۔ عمر بڑی قیمتی چیز ہے۔ عمر حلال روزی کمانے کے لیے بھی ہے۔ مگر روزی کمانا ضمنی مقصد ہے۔

دنیا میں دو مقاصد ہیں۔ (۱) اصلی مقصد، (۲) ضمنی مقصد اور اللہ تعالیٰ اس بات کو قسمیہ بیان کرتا ہے تاکہ شیطان شک نہ ڈال دے۔ تو قسمیہ بیان دیتا ہے کہ والعصر میں زمانے کی قسم کھاتا ہوں کہ ان الانسان لفی خسر۔ سب کے سب انسان تباہی میں ہیں ماسوا ان کے جنہوں نے زندگی میں چار کام کیے۔ (۱) خصلت الا الذین امنوا۔ کہ ایک ایمان اس کو سیکھو یہ سیکھنے سے آئے گا۔ وکیل کا بیٹا جب تک تعلیم نہ پائے وکیل نہیں بن سکتا۔ اسی طرح مومن کا بیٹا جب تک تعلیم حاصل نہ کرے مومن نہ ہوگا۔

(۲) خصلت وعملو الصلحت۔ (نیک اعمال) اور نیک اعمال وہ نہیں جنہیں یورپ وامریکہ یا امریکہ کی کھوپڑی والوں نے بنائے ہوں بلکہ وہ نیک اعمال ہیں جنہیں اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرمائیں۔ اس لیے نیکی عالم سے پوچھو کہ یہ درست ہے کہ غلط۔ ایمان ہوا تو عقیدہ کی پختگی ہوگی اور عمل ہوا تو کردار کی پختگی ہوگی۔ انسان کے لیے یہ دو چیزیں ہوئیں۔ یہ نہیں کہ ٹانگ پھیلا کر پڑے رہو بلکہ محنت وکوشش کا حکم ہے۔

(۳) خصلت وتواصوا بالحق۔ کہ لوگوں تک بھی یہ بات پہنچاؤ۔ صحابہ کرامؓ نے عرب سے یہاں اور چین تک دین پہنچایا مگر ہم نے اپنے قریبی ہمسایہ ہندو تک نہیں پہنچایا۔

یاد رکھو آج کے نئے حق اور نئی پارٹی کے حق سے بچو۔ بلکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا حق۔ جو قدیم زمانے اور کئی صدیوں سے چلا آرہا ہے وہی حق ہے اور اسی پر جنت کا ثمرہ ملے گا۔ اور یہ تینوں کام آسان نہیں۔

(۴) خصلت وتواصوا بالصبر۔ کہ صبر کرنا۔ میں نے اسلامی قانون کے بارے میں خواجہ ناظم الدین سے بحث کی تو کہنے لگے کہ اردگرد کے لوگ اسلام نہیں چاہتے۔ میں نے کہا آپ ووٹ ڈلوائیں پھر معلوم ہو جائے گا۔ کہ کون اسلامی قانون نہیں چاہتا۔ میں نے کہا کہ یہ ایک ہماری بے ہمتی ہے کہ مسلمانوں کی تعداد (۷۰) ستر کروڑ ہے ان میں سے ۶۵ کروڑ اب بھی اسلام پر یقین رکھتی ہے۔ اس کے مقابلے میں کارل مارکس اور لینن وغیرہ نے جب اشتراکی نظام کی آواز اٹھائی تو ایک سو آدمی بھی قائل نہ تھا۔ تو میں نے کہا کہ سب سے بے طریقہ قانون لینن کا تھا ان کی ہمت کی وجہ سے دیکھا کہ کس طرح عروج پر آیا۔

ایک دن لینن نے تقریر کی تو لوگ پتھر مارنے لگے تو دوسرے دن اس نے اس سے زیادہ وقت تقریر کی۔ مطلب یہ کہ وہ لوگوں کے پتھراؤ سے گھبرایا نہیں بلکہ صبر کیا اور اپنے پیش کردہ نظام پر قائم رہا۔ تو صبر کی وجہ سے وہ کامیاب ہوا۔

اور آج اسلام کے چاہنے والے تعداد میں زیادہ ہونے کے باوجود قرآن کو اپنی بے صبری اور یقین کی ناپختگی کی وجہ سے طاق نسیان میں رکھ کر زندگی گزار رہے ہیں۔ ہمارے حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کہتے ہیں کہ جب لینن سے میری ملاقات

ہوئی تو میں نے اسے اسلامی نظام سنایا تو وہ مان گیا اور کہنے لگا اگر پہلے آجاتے تو میں اشتراکی نظام کی بجائے آپ کے اسلامی نظام کو رائج کرتا۔ تو مولانا نے فرمایا کہ اب رائج کردو تو اس نے جواب دیا کہ اس نظام پر کتنے مسلمان عمل کر رہے ہیں۔

تو مولانا نے فرمایا کہ شرم سے میری آنکھیں نیچی ہوگئیں۔ حضرت امام اعظمؒ نے فرمایا کہ اگر مکمل قرآن نازل نہ ہوتا اور صرف یہی چھوٹی سی سورۃ نازل ہوتی اور مسلمان پر اس پر عمل کرتا تو مسلمانوں کی نجات ہوجاتی۔ تو اصل مقاصد صرف یہی چار ہیں باقی ضمنی مقاصد ہیں۔

آج مسلمان ضمنی مقاصد پر زندگی صرف کر رہا ہے اور اصل مقصد ختم کردیا ہے۔ اگر ایک آدمی کافی تنخواہ پاکر ملازمت کرتا ہے اور یونہی وہ اصل مقصد سے ہٹ کر پوری زندگی اس ملازمت میں گزار دیتا ہے تو بتاؤ کیا اس کا نقصان نہیں؟ میں نے ایک مثال دی ہے کہ یہ جوتا یعنی بوٹ وغیرہ اس کا مقصد ہے کہ اس سے پاؤں کو گرمی، سردی سے محفوظ رکھے۔ تو یہ اس کا اصلی مقصد ہوا اور بچھو وغیرہ کو مارنا یہ ضمنی مقصد ہے۔ اب اگر ایک آدمی باٹا کا جوتا لیکر بغل میں دبائے رکھے کہ اس سے موذی جانور کو ماروں گا۔ تو ایک آدمی کہتا ہے کہ اسے پہنو اس کا پہننا ہی اصل مقصد ہے اور بچھو مارنا تو اس کا ضمنی مقصد ہے تو اگر ہم اپنی پوری زندگی ضمنی مقصد میں صرف کردیں تو کیا ہماری حالت اس بوٹ والے کی طرح نہ ہوگی جس نے بوٹ کو ضمنی مقصد کے لیے بغل میں دبا رکھا ہے۔ تو ہمیں اپنی عمر اور زندگی اصل مقصد دین میں صرف کرنی چاہیے۔

وللہ الاخرۃ والاولیٰ دنیا و آخرت دونوں اللہ کی ہیں اور جو دنیاوی مقصد میں زندگی صرف کر رہے ہیں وہ بھی ایک فائدہ ہے مگر والآخرۃ خیر و ابقیٰ۔

کہ آخرت کو بقاء ہے اور بھلی بھی ہے قیمت میں آخرت کا بہت فائدہ ہے اور اتنا زیادہ فائدہ ہے۔ جس طرح کوہ نور کے ہیرے کی قیمت گوبر سے زیادہ ہے۔

اگر پوری دنیا کی دولت اکٹھی کر کے صرف ایک گلاس شربت کا تیار کیا جائے اور کوئی آدمی جنت کی سب سے کم نعمت پانی کے چند قطرے پی لے پھر یہ گلاس اس کو دیا جائے تو وہ قے کردے گا۔

طبقات شافعیہ جلد (۵) اس کے شروع میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک عورت جب نیند سے بیدار ہوئی تو اس نے پھر ساری عمر کھانا نہ کھایا اس سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ میرا شوہر جہاد میں شہید ہوا اسے خواب میں کوئی چیز کھاتے دیکھا تو میرے طلب کرنے پر مجھے بھی کھلا دی تو یہ اسی کا اثر ہے کہ ہر وقت منہ میں اس کی شیرینی موجود ہے۔

مامون الرشید کے یہ الفاظ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ ایک عالم بیان کرتے ہیں کہ میں مامون الرشید کے پاس گیا دیکھا کہ وہ قالین پر مٹی پھیلا کر اس پر سویا ہوا ہے اور کہہ رہا تھا کہ اے بادشاہ جس کی سلطنت کو زوال نہیں اس کی بخشش فرما جس کی سلطنت کو زوال ہے

والآخرۃ خیر و ابقیٰ۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ضمنی مقصد سے اصلی مقصد کے فوائد بہت زیادہ بھی ہیں اور باقی رہنے والے بھی ہیں یعنی پائیدار ہیں۔ مثال اگر ایک شخص کو یہ کہا جائے کہ ایک عظیم الشان محل جس پر لاکھوں روپے خرچ ہوئے ہیں۔ اور ایک طرف ایک جھونپڑا ہے۔ فلاں فلاں کام کرو گے تو تمہیں ہمیشہ کے لیے یہ محل ملے گا اور فلاں فلاں کام کرو گے تو تمہیں یہ جھونپڑا ایک ماہ کے لیے ملے گا۔ تو بتلاؤ کہ یہ شخص

کس کو ملے گا اور یقینی بات ہے کہ اگر دونوں کام کرے تو فائدہ تو دونوں میں ہے مگر دیکھو زیادہ فائدہ کس میں ہے اور عقلمندی کس میں ہے۔ اسی کو لفظی خسر کہا گیا ہے۔

جس نے ان چار کاموں کے لیے زندگی میں وقت نہ نکالا آج اس کا معنی یہ کہ اس نے وہ کام کیا جس سے چند دن کے لیے جھونپڑا ملتا ہے اور وہ کام نہ کیا جس سے ہمیشہ کے لیے عمدہ محل ملتا۔

ایک مسئلہ کہ قسم کیوں کھائی؟ اللہ تعالیٰ کی قسم کھانا بطور استدلال ہوتا ہے۔ یعنی بطور دلیل استعمال ہوتا ہے تو والعصر کہ زمانہ گواہ ہے کہ انسان نقصان میں ہے۔ اور وہ زمانہ بتلایا کہ زمانہ گواہ ہے۔ کہ کیا معنی۔ کہ وہ وقت آجائے گا کہ جس میں آخرت آجائے گی اور انجام سامنے ہوگا۔ اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ جنہوں نے زندگی میں ان چار کاموں کو ترک کیا وہ نقصان اور خسارہ میں ہیں۔

(۲) ایک دوسرا اندیشہ تھا اس لیے زمانہ کی تخصیص کی گئی۔ اعتراض یہ ہے کہ زمانہ تو نظر آتا نہیں اور خسارہ بتلاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک چیز نظر نہ آتی ہوگی مگر اس کے اثرات عالمگیر ہوں گے۔ کیا زمانہ نظر آتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے یہ صرف ہمارے سمجھانے کے لیے مہربانی کی کہ زمانہ محسوس نہیں لیکن متاثر ہے۔ مثلاً جون اور مئی کا زمانہ نظر نہیں آتا مگر لوگوں کو گرمی اور پسینہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ موسم خزاں میں پوری دنیا خزاں سے متاثر ہوتی ہے یہ زمانے کا اثر نہیں کہ یا تو گاما پہلوان تھا اور یا بوڑھا اور کبڑا بن چکا ہے؟ کوئی چیز بمع انسان زمانہ کے اثر سے خالی نہیں۔ لیکن زمانے کو آنکھ سے کسی نے نہیں دیکھا۔

ایمان کو بھی اسی طرح جانو کہ لوگوں نے اسے نہیں دیکھا لیکن زمانے کی طرح اثر پذیر ہے اور اثر عالمگیر اور ناگزیر ہے اور تیسرا نکتہ یہ کہ عصر۔ دہر اور زمانہ یہ سب زمانے کے نام ہیں۔

عصر بمعنی نچوڑنے کے آتے ہیں۔ تو یقینی بات ہے کہ کپڑے کو نچوڑو تو پانی واپس نہیں آتا۔ تو والعصر۔ کہ انسان نچوڑ کی طرح زمانہ سمٹ رہا ہے۔ تو مفت میں جانے والی چیز کو بدبختو لازوال چیز میں کیوں نہ کھپاؤ۔

ایک برف فروش کہتا ہے کہ میں برف بیچ رہا ہوں مگر فروخت کرنے کی جگہ دور ہے تو جب خریدار آئے گا تو برف پگھل چکی ہوگی۔ مناقب کردری میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا واقعہ درج ہے کہ آپؒ حجامت بنوا رہے تھے تو ساتھ ہی اللہ اللہ بھی کر رہے تھے تو حجام نے کہا۔ حضرت لمحہ بھر زبان روک لیں میں لب تراش لوں۔ آپؒ نے فرمایا میاں وقت کو تو روک لے زبان میں روک لوں گا۔ دیکھو اگر عمر بیکار گذری تو سب کچھ رائیگاں گیا۔

حضرت امام شافعیؒ بہت بڑے امام تھے ایک مرتبہ سفر کی وجہ سے ذرا کپڑے صاف ستھرے نہ تھے حجامت کے لیے ایک حجام کے پاس گئے اس نے غریب سمجھ کر بے اعتنائی کی۔ جب آخر میں ان کی حجامت کی گئی تو آپ نے طالب علم کو کہا کہ جتنی اشرفیاں ہیں وہ سب اُسے دیدو وہ دس یا گیارہ تھیں۔ تو وہ حیران ہوا امام شافعیؒ نے فرمایا یہ دنیا کا لالچی تھا مجھے اس سے یہ امید نہ تھی۔ فرمایا میرے بدن پر جو کپڑے ہیں اگر انہیں ایک پیسہ میں بیچا جائے تو پیسہ بھی ان کی قیمت سے زیادہ ہے۔ مگر ان کپڑوں میں جو جان ہے اور روح ہے اگر اس کو بیچا جائے تو اس کی قیمت خدا کی زمین و آسمان نہیں بن سکتے۔ اگر

حضرت امام شافعیؒ یہ جملے نہ فرماتے تو خدا تعالیٰ کی نعمت کا کفران کرتے۔

صدق الشافعیؒ۔ امام شافعیؒ نے سچ فرمایا۔ ہم بھی تصدیق کرتے ہیں کہ امام شافعیؒ کی جان قیمتی تھی۔ حضرت فضیلؒ ابن عیاض حج کو تشریف لے گئے۔ آپؒ امام اعظمؒ کے شاگرد تھے۔ حجام سے کہا خدا کے لیے میرا سر مونڈ دو تو وہ اس وقت امیر المومنین کا سر مونڈ رہا تھا۔ انہیں چھوڑ کر حضرت فضیلؒ کا سر مونڈ دیا۔ کہنے لگا کہ اللہ کا نام آیا ہے اس لیے بادشاہ کا سر چھوڑ دیا ہے۔ تو حضرت فضیلؒ نے کچھ پیسے دینے چاہے تو حجام نے کہا کہ معلوم ہوا ہے کہ آپ نے جھوٹ بولا ہے۔

جب آپ نے کہا کہ خدا کے لیے تو پھر پیسے کیوں۔ تو حضرت فضیلؒ کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے یہ عہد کر لیا کہ کہیں سے پیسے آئے تو میں اس حجام کو دوں گا۔ تو مجھے واپسی پر دس ہزار اشرفیاں مل گئیں۔ تو میں دوسرے سال دس ہزار اشرفیاں لیکر حج پر گیا۔ تو میں حجام کو اشرفیاں دینا چاہتا تھا مگر اس نے انکار کر دیا کہ اللہ کا نام تھا میں کیوں لوں۔ یہ تھی دنیا سے نفرت و کراہت۔

آجکل فتنہ کا زمانہ ہے اگر زندگی باقی رہی تو معلوم ہو جائے گا کہ دنیا کی عمر باقی نہیں۔ دنیا کی عمر بالکل قریب ہے۔ اگر ہم نہ دیکھ سکے تو چھوٹے بچے دیکھیں گے۔

اذا اردنا ان نهلک قرية امرنا مترفيها ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرنها تدميرا۔

ہم جس ملک کو فنا کرنا چاہیں تو وہاں کے سردار اور امراء فسق و فجور کرتے ہیں۔ تو ہم ان کو اُلٹا دیتے ہیں۔

دنیا دو بلاکوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ یعنی مشرقی اور مغربی دنیا تو بم وغیرہ اتنی کثرت سے بن چکے ہیں کہ سائنسدانوں نے لکھا ہے کہ اب اگر عالمی اور ایٹمی جنگ ہوئی تو پوری دنیا آدھ گھنٹہ میں ختم ہو جائے گی۔ اور پھر سینکڑوں برس زمین سرسبز نہ ہو گی۔

آج دنیا اپنا تباہی کا سامان خود بنا رہی ہے یعنی ایٹمی طاقت۔ ہم جب کسی کو تباہ کرتے ہیں تو فرشتے نہیں بھیجتے خود انہوں کو خود ہی سے ختم کرواتے ہیں۔ کئی لوگوں نے خودکشی کی ہے کہ اس ایٹمی دور سے پہلے چلے جائیں۔ تو کیا اس وقت اسلام کا نظام رائج نہیں کرنا چاہیے؟

خطبہ نمبر ۹

نعمت کا اصلی وضمنی مقصد

ھاانتم ھولاءِ تدعون لتنفقوا فی سبیل اللّٰہ فمنکم من یبخل فانما یبخل عن نفسہ واللّٰہ الغنی وانتم الفقرآء وان تتولوا یستبدل قوما غیر کم ثم لایکونوا امثالکم۔

سورۃ محمد پارہ ۲۶ کی آخری آیت ہے۔اس میں تین مضمون ہیں۔شاید ایک بیان کروں۔

۱۔ اس دنیا میں ہمیں جو نعمتیں ملی ہیں وہ اپنی نہیں۔اللہ رب العلمین کی عطاء کردہ ہیں۔

۲۔ ہم سے گذشتہ لوگوں کو جو نعمتیں ملیں وہ بھی اللہ رب العلمین کی عطاء کردہ تھیں۔

۳۔ اور ہم سے بعد میں آنے والوں کو جو ملیں گی وہ بھی اللہ رب العلمین کی عطا کردہ ہوں گی۔

ہر نعمت کے ساتھ دو چیزیں وابستہ ہیں (۱) اصلی مقصد (۲) ضمنی مقصد

۱۔اصلی مقصد۔ جس کام کے لیے جو نعمت ملی ہے وہ اس کا اصلی مقصد ہے۔

۲۔ضمنی مقصد۔ اگر اس نعمت سے اصلی مقصد کے علاوہ کوئی دوسرا کام بھی لیں۔تو یہ اس کا ضمنی مقصد ہوا۔

اگر دونوں مقصدوں کو ساتھ ساتھ چلایا جائے تو بُری بات نہیں۔ بُری بات یہ ہے کہ اصلی مقصد کو بالکل بھول جائے اور ضمنی مقصد میں اس نعمت کو استعمال کرے۔

اسے مثال کے ذریعہ سمجھاتا ہوں۔ ہمارے پاس ایک جوتا یا ایک بوٹا ہے۔ اس کا اصل مقصد پاؤں کی حفاظت ہے۔ لیکن اگر ہم مسجد میں نماز کے لیے آئے جوتا بھی ساتھ لے آئے۔ مسجد میں اتفاقاً بچھو نکل آیا۔ تو جوتا اٹھا کر بچھو کو مار بھی لیتے ہیں۔ یہ بچھو مارنا جوتے کا ضمنی مقصد ہے۔ اصلی مقصد نہیں۔ اصلی مقصد وہ ہے جس کے لیے بنانے والے نے اسے بنایا۔ قدیم زمانہ میں جنگ تلوار اور نیزوں سے لڑی جاتی تھی۔ جنگ گویا تلوار کا اصل مقصد ہے لیکن اگر بوڑھا آدمی ان کے سہارے سے چلتا ہے۔ تو اس سے لاٹھی کا کام بھی لیا جاسکتا ہے۔ مگر یہ اصل مقصد نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اصل مقصد کے ساتھ ضمنی مقصد ہو تو کوئی حرج نہیں کہ جوتا پہنے اور اس سے بچھو بھی مارے لیکن اگر کوئی ننگے پاؤں چلے اور جوتا ہاتھ میں اٹھایا ہوا ہو۔ کہ کہیں بچھو نکل آیا تو اسے ماروں گا۔ اسے کوئی عقلمندی نہیں کہتا۔

اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں۔ ہمارے پاس جو نعمت ہے وہ رب العالمین کی عطاء کردہ ہے اور وہی اس نعمت کا خالق ہے اور اس نے اس کا کوئی اصل مقصد بھی رکھا ہوگا۔

بازار کی بنائی ہوئی تمام چیزوں کا اصل مقصد موجود ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی نعمت کا بھی اصل مقصد ضرور ہوگا۔

۱۔ سب سے بڑی نعمت جو انسان کو عطاء کی گئی ہے وہ زندگی ہے اگر زندگی نہ ہو تو مردہ کس کام کا۔

۲۔ دوسرے درجے کی نعمت عقل ہے۔

۳۔ نعمت سمع یعنی شنوائی یا سننے کی طاقت۔

۴۔ نعمت بصر۔ یعنی آنکھ کی نعمت۔

۵۔ نعمت زبان ہے جس سے دل کا مقصد ظاہر کیا جاتا ہے۔

یہ پانچ بڑی نعمتیں ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں کس لیے عطاء کیا ہے۔

۱۔ زندگی زندگی کا مقصد بندگی ہے۔ وما خلقت الجن والانس الالعیدون بندگی۔ کہ اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہے اسے بجالائے۔ اس پر عمل کرے۔ بندگی۔ بندہ سے ہے۔ بندہ معنی غلام۔ قیدی۔ یعنی فلاں آدمی جیل میں قید ہوا۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ کے احکامات کا مقید بننا پڑتا ہے۔

۲۔ عقل عقل انجام کار کو سوچتی ہے۔ آپ کے کام کا انجام کئی سال بعد ہوتا ہے۔ عقل کی نعمت اس لیے عطاء کی گئی کہ اس سے حق و باطل، نیکی و بدی کی پہچان کریں۔

۳۔ سمع سننے کی طاقت اس لیے عطاء کی گئی کہ اس سے خدا تعالیٰ کی پند و موعظت سنے۔ نصیحت سنے وغیرہ۔

۴۔ بصر دیکھنے کی نعمت اس لیے عطاء کی گئی کہ اس سے نیک لوگوں کی تعلیم کی باتیں دیکھ کر روح اور دماغ کو پہنچائیں۔

۵۔ لسان بولنے کی نعمت اس لیے عطاء کی گئی کہ اللہ کے کلام کی تلاوت کرسکو اور دل کی بات بتاسکو۔

الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمه البیان۔ اللہ نے قرآن کی تعلیم دی۔ انسان کو پیدا کیا۔ اور اسے بولنے کی قوت دی۔ یہ سب نعمتیں ہیں۔ ان کے اصلی مقاصد بھی قرآن سے معلوم ہوسکتے ہیں۔ عرب میں بڑے بڑے کفار تھے۔ ان کی عقل اور دیکھنے کی قوت بہت تیز تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ان کے دل میں مادۂ قبول نہیں۔ آنکھ ہے۔ مگر دید نہیں۔ کان ہیں مگر سنتے نہیں۔

دوسری جگہ فرمایا صم بکم عمی۔ کہ کان کے باوجود بہرے ہیں زبان کے باوجود گونگے ہیں۔ آنکھ کے باوجود اندھے ہیں۔ جو نعمت اللہ تعالیٰ نے دی اگر اس کا مقصد پورا نہ ہو تو یوں جانو کہ اصل میں وہ چیز ہی نہیں۔ گم ہے اللہ تعالیٰ کے قانون میں اس کا ہونا نہ ہونے کے معنی میں ہے۔ نفس اگر اصلی مقصد میں صرف نہ ہو تو وہ گویا ہے ہی نہیں۔

گھڑی کا مقصد وقت بتلانا ہے۔ اگر وہ چلتی ہی نہیں تو وہ گھڑی ہے ہی نہیں۔ گلاس کے پیندے میں اگر سوراخ ہے تو جانو کہ وہ گلاس ہے ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نعمتیں اس لیے دی ہیں کہ آدمی ان سے خیر و شر حق و باطل کی پہچان کرے۔ آخرت کی تیاری کرے۔ عقل نہ ہو تو آخرت کی خاک تیاری کرے گا۔

اس وقت ہماری جتنی نعمتیں ہیں وہ سب دنیاوی کاموں میں لگی ہوئی ہیں۔ دنیا کے کام خوب ہو رہے ہیں۔ قدم خوب چل رہے ہیں۔ نعمتیں تو اللہ تعالیٰ نے ابدی زندگی کے کمانے کے لیے عطاء کی تھیں۔ مگر ہم نے انہیں بوٹ کی طرح ضمنی مقصد میں لگا دیا۔

دنیا ضرور کماؤ۔ حلال کماؤ۔ اچھا مال حاصل کرو۔ اچھے آدمی کے لیے ہنر ایک اچھی چیز ہے۔ مگر اصل مقصد کو فراموش نہ کرو۔ اگر اللہ کی عطاء کردہ نعمتیں عقل، آنکھ، کان

وغیرہ کو اللہ کے دین میں جو ان کا اصل مقصد ہے صرف نہ کرو گے تو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو کیا؟ یہ تو تمہارا اپنا نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر تمہیں دین کی ترغیب دیتا ہے تو اس سے یہ نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ محتاج ہے۔ غنی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔ باقی سب فقیر ہیں۔ واللہ الغنی وانتم الفقرا۔

اللہ جو ہمیں حکم دیتا ہے کہ روزہ رکھو، نماز پڑھو، وغیرہ اس میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہمارا اپنا ہی فائدہ ہے۔ وہ غنی مطلق ہے کسی کا محتاج نہیں۔ پوری کائنات اللہ رب العزت کی محتاج ہے۔

خدا کی مخلوق میں جو ادنیٰ درجہ کی مخلوق ہے وہ کم درجہ کی محتاج ہے۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ جوں جوں مرتبہ بڑھتا جائے گا اتنی محتاجی بھی بڑھتی جائے گی۔

ہمارے سامنے اس وقت کائنات میں چار قسم کی مخلوقات ہے۔ (۱) جمادات۔ جن میں جان بھی نہیں اور نشوونما بھی نہیں۔ مثلاً زمین و پہاڑ۔ تو جمادات کے درجہ کی مخلوق میں ترقی کا سامان نہیں۔ پتھر روزِ اول سے منجمد ہی ہے نہ گھٹتا ہے اور نہ بڑھتا ہے۔ تو جمادات میں صرف وجود ہے۔

(۲) قسم نباتات ہیں۔ جان بھی رکھتے ہیں اور ان میں نشوونما بھی ہے۔ مگر ان میں حرکت نہیں۔ پودا اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا۔

(۳) حیوانات۔ ان میں جان بھی ہے اور ان کی نشوونما بھی ہے اور ان میں حرکت بھی ہے۔ اپنی مرضی پر چل پھر لیتا ہے مگر عقل نہیں۔

(۴) انسان کہ ان میں جمادات کی طرح وجود ہے۔ اور نباتات کی طرح جان اور نشوونما بھی ہے اور حیوان کی طرح حرکت بھی ہے۔ ان کے علاوہ عقل بھی ہے جو

انسان کی امتیازی علامت ہے۔

جمادات! سب مخلوق سے کم درجہ کی مخلوق ہے۔ تو اس کی حاجت بھی بہت کم ہے۔ مثلاً پہاڑ ہے تو بس اپنی جگہ پر کھڑا ہے۔ اسے جانور کی طرح گھاس پانی کی ضرورت نہیں۔ پہاڑ کو نہ گھاس کی ضرورت اور نہ پانی کی۔

نباتات! ان کی شان جمادات سے بلند ہے تو وہ اتنے محتاج بھی ہیں کہ انہیں پانی وغیرہ کی ضرورت ہے۔ جمادات میں بیماریاں بھی نہیں کہ پہاڑ کے لیے کسی ڈاکٹر کی ضرورت نہیں۔ اس کے برعکس نباتات میں بیماریاں بھی ہوتی ہیں اور انہیں پانی کی اور حفاظت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

حیوانات! ان کی شان نباتات سے بلند ہے تو وہ ان سے محتاج بھی زیادہ ہیں۔ ان کے لیے گھاس، چارہ، پانی وغیرہ کی ضرورت ہے گرمی و سردی سے بچاؤ کی بھی ضرورت ہے۔ پھر نباتات سے انکی بیماریاں بھی زیادہ ہیں۔ غرضیکہ جتنی شان بلند اتنی محتاجی زیادہ۔

انسان! حضرتِ انسان کی شان سب مخلوقات سے بلند تر ہے۔ تو اس کی محتاجی بھی بلند تر ہے۔ اسے کھانے کی ضرورت ہے۔ اسے پہننے کی ضرورت۔ اسے رہنے کے لیے کمرہ مکان کی ضرورت۔ سردی گرمی سے بچاؤ کی ضرورت۔ لحاف وغیرہ کی ضرورت۔ انسان کی بیماریاں بھی حیوانات سے زیادہ ہیں۔ غرضیکہ بڑے کی محتاجی بڑی۔

بڑے بڑے کارخانے کھل گئے ہیں۔ کپاس کاشت کی جاتی ہے۔ سوت بنایا جاتا ہے۔ کپڑا تیار کیا جاتا ہے۔ درزی کی ضرورت ہے۔ بٹن تک کی ضرورت ہے۔ یہ سب انسان کی محتاجی ہیں۔ اصل غنی صرف خدا تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے۔ طبقاتی لحاظ

سے بھی بیان کیا جاسکتا ہے۔

قلی کو معمولی پیسے کافی ہیں۔ مگر سیٹھ کو بنگلہ اور اس میں مختلف کمروں کی بھی ضرورت ہے۔ قلی کو ان کی ضرورت نہیں۔ قلی کو کپڑوں کے دو جوڑے کافی ہیں۔ مگر امیر کو ۱۲ جوڑوں کی ضرورت ہے۔ گورنر اس سے اور صدر اس سے زیادہ محتاج ہے۔ صدر کو تو فوج و پولیس بھی ضرورت ہے۔

؎ آنانکہ غنی ترا ند محتاج تراند

جو جمعدار فضلہ صاف کرتا ہے وہ پیسے کا محتاج ہے اور آپ اس کی صفائی کرنے کے محتاج ہیں ان جمعداروں کی ہڑتال سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ نچلے طبقے کا احتجاج موثر تر ہے۔ دھوبی آپ کا محتاج ہے کہ پیسے کما کر پیٹ پال سکے۔ آپ بھی دھوبی کے محتاج ہیں۔ آپ قلی کے بھی محتاج ہیں کہ سامان اٹھائے۔

جب دہلی میں غدر واقع ہوا تو بہت خون بہایا گیا۔ بڑے بڑے علماء بھی شہید کیے گئے۔ ایک درویش پھٹے پہ لیٹا ہوا تھا۔ اس سے کسی نے غدر کے بارے میں کہا تو وہ اٹھا اس نے اپنی گدڑی اٹھائی اور چل دیا۔ کہنے لگا چلو دہلی چھوڑو لاہور چلتے ہیں۔ مطلب یہ کہ دنیا کا دھندا جتنا کم۔ اتنی پریشانی کم۔ اتنی محتاجی کم۔

ایک زمانہ تھا کہ برطانیہ کی سلطنت پر سورج نہ ڈوبتا تھا۔ مگر اب تو سمٹ کر سانپ کے بل کی طرح ہوگیا ہے۔

اسلام ہمیں ترک عمل نہیں سکھاتا بلکہ اسلام فراغت نہیں چاہتا کہ جائز طریقے سے خوب کماؤ۔ مگر اپنی زندگی کے اصل مقصد کو فراموش نہ کرو۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے تجارت بھی کی ہے۔ تبلیغ بھی کی ہے۔ حج وغیرہ بھی کیا ہے۔ اور غزوات، جنگیں

بھی لڑی ہیں۔ مطلب یہ کہ اسلام ترکِ عمل کا حکم نہیں دیتا۔ صرف یہ کہتا ہے کہ آخرت کو مت بھولو۔ بلکہ آخرت کی تیاری کرو۔ جس کے لیے یہ زندگی کی نعمت عطاء ہوئی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ جب حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سلطنت دس لاکھ مربع میل پر تھی۔ یعنی تین گنا پاکستان کے برابر۔ اس وقت آپؐ اور آپ کا خاندان مسلسل دو روز جو کی روٹی سے سیر نہیں ہوا۔ حتی لقی اللہ۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کو جا ملے۔

ایک مرتبہ بغداد شریف میں قحط پڑا۔ حضرت بہلولؒ ایک بزرگ تھے۔ کسی نے ان سے پوچھا۔ کیسے گزرتی ہے۔ فرمایا اچھی گزرتی ہے۔ میری منشاء اور ارادے کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا۔ تو اس شخص نے کہا کہ یہ تو آپؒ خدائی دعویٰ کر رہے ہیں۔ فرمایا نہیں۔ بلکہ یہ تو بندگی کا دعویٰ ہے۔ کہ میں نے اپنے ارادے کو خدا کے ارادے میں مٹا دیا ہے۔ بس جو اللہ تعالیٰ کرے وہی میرا ارادہ ہوتا ہے۔

ایک بنیا تھا۔ اس کی گھوڑی تھی۔ جس پر وہ سبزی لاد کر گاؤں گاؤں بیچتا تھا۔ گھوڑی کچھ شوخ تھی اور بنیا بوڑھا تھا۔ گھوڑی کو روک نہ سکتا تھا۔ جدھر گھوڑی گھوم جاتی کہتا چلو ادھر بھی اپنا کام ہے۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس حال میں رکھے اس حال کو اپنا مطلب بنالو۔

علماء نے غنا اور فقر کی قسمیں بیان کی ہیں۔ غنا کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) غنا حقیقی (۲) غنا رواجی

ا۔ غنا رواجی۔ جس کا حاصل ہے کہ بہت مال ہو۔

۲۔ غنا حقیقی۔ چاہے پاس کچھ ہو نہ ہو لیکن قلب اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر مطمئن ہو۔ اسے غنا مطلق بھی کہتے ہیں۔ یہ قسمیں حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے مطابق ہیں۔

دولت مندی ساز و سامان کی بہتات کا نام نہیں۔ بلکہ حقیقی اور غنا مطلق دل کا غنا ہوتا ہے۔ غنی النفس۔ کہ دل غنی ہو۔

حضرت اصمؒ۔ ایک بزرگ گذرے ہیں۔ ایک دولتمند نے ایک ہزار اشرفی ان کی خدمت میں پیش کیں اور کہا کہ انہیں آپ اپنے اور متعلقین پر صرف کریں۔ فرمایا تیرے پاس اور ہیں۔ کہاں ہاں۔ تو فرمایا تم اور بھی چاہتے ہو۔ کہا ہاں تو فرمایا بس یہ پھر تم ہی لے جاؤ۔ مجھے تو ضرورت نہیں۔

حدیث پاک ہے کہ اگر ایک آدمی کے پاس دو پہاڑ یا دو وسیع میدان سونے کے ہوں تو وہ تیسرا بھی چاہے گا۔ آدمی کا پیٹ بھرتا نہیں مگر قبر کی مٹی سے۔

یورپ کے شیطان نے ہمیں لاکھوں بیجا مصرف سکھائے ہیں۔ روزانہ ضروریات زندگی میں اضافہ کر رہے ہیں۔ جو ہماری پریشانی کا سبب ہیں۔

حضرت امام غزالیؒ تین برتن اٹھا کر چلے۔ وضو کے لیے ایک لوٹا۔ ایک پیالہ سالن کے لیے اور ایک پیالہ پانی پینے کے لیے۔ دیکھا کہ دجلہ کے کنارے ایک بدو چلو سے پانی پی رہا ہے۔ تو امام غزالیؒ نے سوچا کہ صرف ایک برتن ہی کافی ہے۔ بس اسی سے سارے کام ہو سکتے ہیں۔

آج جن اشیاء کو ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ ان میں اکثر بیکار ہیں۔ ان کی ضرورت نہیں۔ مگر آج کا جدید طبقہ تو یورپ کی نقل اتارتا ہے۔ اسلام ہمیں فضول خرچی

سے منع کرتا ہے اور سادگی کی ترغیب دیتا ہے۔

بزرگان دین نے آزادی کی جو تعریف کی ہے وہ یہ ہے کہ مخلوقات کی قید سے آزاد ہو جانا۔ اور مخلوقات کی قید میں بند ہو جانا۔ اسے غلامی کہا گیا ہے۔

البتہ خدا تعالیٰ کی قید میں بند ہو جانا یہ آزادی ہے۔ واللہ الغنی وانتم الفقراء۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے اور تم فقیر ہو۔ آج اگر میوہ جات اور فروٹ وغیرہ نہ ہوں تو جانور کو کوئی پریشانی نہیں۔ کیونکہ اسے تو صرف گھاس کی ضرورت ہے اس کی محتاجی کم ہے۔

ابوداؤد میں روایت ہے کہ ایک شخص کو مصر کا گورنر بنا کر بھیجا گیا۔ دوسرے روز وہ مصر کے بازار میں ننگے پاؤں نکل آئے۔ اس فعل سے قلب کی رعونت ختم کرنا تھی۔ کیونکہ مصر کی خاک میں اتنا غرور ہے کہ یہاں کے رہنے والے فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ حضرت ابراہیمؒ ادھم کے پاس ایک شخص آیا۔ سخت سردی تھی۔ لحاف اوڑھ رکھا تھا اور کانپ رہا تھا۔ تو آپ نے فرمایا پہلے کیوں نہیں لحاف کر لیا۔ کہا کہ مجھے سوچ ہوئی کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی امت میں بہت بے لحاف ہوں گے میں سب کو لحاف نہ دے سکتا تھا۔ میں نے کہا چلو بدنی قربانی کر لوں۔

حضرت سلمان فارسیؓ کو ایک جگہ کی گورنری ملی۔ جنگل سے لکڑی کاٹ کر اٹھا لائے جب بازار سے گذرے تو لوگوں کو اونچی آواز سے فرمایا کہ تمہارا گورنر آ رہا ہے۔ ذرا راستہ تو دو۔ یہ تھے صحابہ کرامؓ کہ جنہوں نے امیری اور فقیری کو ایک برابر کر دیا۔

مولوی آزاد ہے۔ اسے آپ کی طرح بوٹ اور کسی خاص لباس کی محتاجی نہیں۔ لباس کے مسئلہ میں صرف اتنی پابندی ہے کہ ریشم نہ ہو اور سرخ رنگ نہ ہو۔ باقی

آزادی ہے۔

اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت نہ کی تو اللہ تعالیٰ کوئی اور مخلوق اپنی خدمت کے لیے پیدا کر دے گا۔

پہلے اللہ تعالیٰ نے عربوں سے کام لیا۔ ان میں سستی پیدا ہوئی۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے عجمیوں سے کام لیا۔ حضرت امام بخاریؒ عجمی ہیں۔ ابن ماجہ عجمی ہیں۔ نسائی کے سوا۔ ابن جریرؒ عجمی ہیں۔ صاحب قاموس عجمی ہیں۔ شیخ عبدالقادرؒ جیلانی ہیں۔ بایزید بسطامیؒ عجمی ہیں۔ پھر عجمیوں میں سستی پیدا ہوئی۔ تو ہندوستان سے کام لیا۔ جہاں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ پیدا ہوئے۔ ان کے برابر کا کوئی عالم ہی نہیں۔

پانچ سو سال عربوں نے حکومت کی۔ پھر یہ ہوا پانچ سو سال ان کی حکومت رہی۔ چنگیز اور ہلاکو اسلام مٹانے کے لیے آئے۔ تاتاری بھی اسلام مٹانے کے لیے آئے۔

علماء دین، انگریز نے جن کو گالی دینے کے لیے لوگوں کو گالی دینا سکھایا۔ حالانکہ جس مقام پر یہ حکمران حکومت کر رہے ہیں۔ یہ علاقہ بھی علماء کی بدولت ملا ہے۔ ایک انگریز مورخ نے تفصیل سے لکھا ہے۔ کہ علماء دین نے بغیر تنخواہ و اجرت کے کام کیا۔ ہلاکو اور چنگیز کی اولاد کو مسلمان کیا۔ تیمور ان کی اولاد میں سے تھا۔

دنیا میں اس وقت صرف دو مذہب ہیں۔ (۱) مغربیت، (۲) اسلام۔

مذہب زندگی کا لائحہ عمل ہے۔ لائحہ حیات کے اعتبار سے اس وقت کوئی مذہب نہیں۔ اسلام سخت جان ہے۔ یہ مسیحیت نے کہا کہ یہ فولادی بدن رکھتا ہے۔ کہ اگر ہم انگریز دو عیسائی بناتے ہیں۔ تو اس کے مقابلے میں مسلمان عالم دو ہزار مسلمان بنا لیتا

ہے۔ تو ہمیں اسلامی کردار۔ اسلامی افکار اور اسلامی طرز زندگی قائم رکھنی چاہیے۔ دنیا سے فائدہ کی چیز لو اور نقصان دہ چھوڑ دو۔ پختہ علماء دین سے رابطہ قائم کرو۔ بگاڑ کی سب سے بڑی اور اہم نشانی یہ ہے کہ وہاں کی سلطنت میں پکی و کچی اینٹ کا ایک ہی بھاؤ ہو۔ ایک نرخ ہو تو جب ایک نرخ ہوگا تو پکی اینٹ کون بنائے گا۔ اگر آپ کے ہاں پکے اور کچے عالم کی ایک ہی قیمت ہو تو پھر پکا عالم بننے کی کیا ضرورت ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ حقیر چیز بت ہے۔ اللہ کہتا ہے بتوں کو گالی نہ دو اور بت پرستی کو توڑو۔ قرآن میں بتوں کو گالی دینا حرام ہے۔ ولا تسبوا الذین من دون اللہ۔ مگر یہاں تو علماء کو گالی دینا نیکی سمجھتے ہیں۔ جو عالم کسی کو گالی دے۔ اسے علماء سُو سمجھو (یعنی دوزخ کی طرف لے جانے والا) دینی علوم کی حفاظت کرو۔

حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیش گوئی ہے کہ صبح مسلم ہوگا اور شام کو کافر ہوگا۔ اسی طرح شام کو مسلم ہوگا اور صبح کو کافر ہوگا (کسی غلط لٹریچر یا غلط رسالہ کو پڑھکر یہ کیفیت ہوتی ہے) تو علماء حق کی تحریریں پڑھنی چاہیں۔

خطبہ نمبر ۱

فلسفہ حج بیت اللہ

ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا

بنیادی اجزاء یہ ہیں۔ (۱) اسلام میں حج کا مقام۔ (۲) انضباط محبت اللہ، (۳) تشکیل سیاست اسلامیہ، (۴) تذکیر اخرویہ۔ یعنی آنے والی زندگی کو مضبوط کرنا۔ (۵) اسلامی جہاد کے لیے تیار کرنا اور اس کا حج سے تعلق ہے۔

سب سے پہلے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ دنیا میں محبت بھی ایک چیز ہے اور وہ جبلت انسان کی اہم ترین چیز ہے۔ اس میں انسان اور حیوان دونوں شریک ہیں۔ دونوں کی فطرت میں محبت ہے۔ انسانی فطرت مابہ الامتیاز ہے۔

محبت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) احساسی محبت۔ (۲) روحانی محبت

یعنی ایک محسوسات سے محبت اور ایک غیر محسوسات سے محبت۔ محسوس محبت سب میں شامل ہے۔ انسان کو کھانے پینے سے محبت ہے تو حیوانات کو بھی ہے۔ نسلی تعلق نر و مادہ کی محبت بھی دونوں میں ہے۔ اولاد سے محبت بھی دونوں میں ہے۔ یہ ساری صورتیں یا سب قسمیں محسوسات کے ساتھ محبت کی ہیں۔ یا احساسی محبت ہے۔ دوسری قسم روحانی محبت۔ یعنی محبت لطیف۔ جو غیر محسوسات سے محبت ہو یعنی ایک چیز نظر نہیں آتی مگر اس سے محبت ہے۔ محبوب بننے کے لیے نظر آنا ضروری نہیں۔ دیکھو نظر نہیں آتی مگر محبوب ہے۔ بینائی میں تھوڑا سا فرق پڑ جائے تو فوراً ڈاکٹر کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ عینک

خریدتا ہے۔ کیونکہ اسے نظر سے محبت ہے۔ نظر آپ کو نظر نہیں آتی۔ مگر ہر چیز نظر سے نظر آتی ہے۔ جان ہر ایک کو پیاری ہے۔ مگر جان نظر نہیں آتی۔ جان کی حفاظت کے لیے کھانے، پینے، کپڑے اور مکان کی ضرورت ہے۔ علم سے محبت ہے مگر علم نظر نہیں آتا۔ آپ کو اپنی عزت سے محبت ہے۔ مگر عزت نظر نہیں آتی۔ معلوم ہوا کہ لطیف محبت کا بلند ادارہ دنیا میں ہے۔

بلند تر محبوبیت کا مقام اللہ رب العالمین ہے۔ ظرفِ انسانی اور کرامتِ انسانی کا تقاضا ہے۔ جو چیز فطری طور پر موجود ہے۔ یہ محبوبیت تمام چیزوں سے بالاتر ہے۔ ذاتِ رب العالمین کی یہ محبوبیت خاص ہے۔ اس میں مسلمان کا مقام اونچا ہونا چاہیے۔ گو ہر انسان میں ذاتِ رب العالمین کی محبت محیط ہے۔ جب سے انسان کی تاریخ چلی آ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت ساتھ ساتھ ہے۔

خواہ کسی کی محبت غلط ہو یا صحیح محبت موجود ہے۔ مسجدوں کا وجود اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا نشان ہے۔ اسی طرح گرجا یا مندر وغیرہ کے وجود اللہ کی محبت کے نشان ہیں۔ یہ اس امر کا اعلان ہے کہ ہمارے سینے میں محبت کی آگ موجود ہے۔ کسی نے صحیح معرفت پائی اور کسی نے غلط معرفت پائی۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اصل جز بھی گم ہو۔ غلطی محبت الٰہی پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

جب ہم بیمار ہو جائیں تو علاج مسلم ہے۔ کسی نے اچھے ڈاکٹر سے علاج کرایا صحت پائی اور کسی نے غلط ڈاکٹر سے علاج کرایا نقصان اٹھایا۔ مگر علاج اپنی جگہ موجود ہے۔ اگر مذاہب عالم میں کچھ غلط مذاہب موجود ہیں تو معلوم ہو گیا کہ اصل چیز دنیا میں موجود ہے۔

قرآن پاک میں جہاں محبت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ وہاں محبت کو مسلمانوں سے مخصوص نہیں کیا گیا۔

البتہ یہ شرف بخشا کہ محبت کے معاملہ میں تمام ادیان عالم کی محبت سے یہ بلند تر محبت ہے۔ جو انسان کے قلب میں محبت الٰہی کی جلن موجود ہے۔ مسلمان کی محبت قوی تر ہے۔ انسانیت کا فطری تقاضا اللہ کی محبت کا خواہاں ہے۔ اس محبت کی تکمیل شرف انسانیت کی تکمیل ہے۔ تکمیل کس طرح ہوگی۔ تکمیلِ محبت کے لیے کچھ مناسبت بھی ہونی چاہیے۔ جو گم ہے۔ مثلاً ہم مکان رکھتے ہیں۔ اللہ کا مکان نہیں۔ ہم جسم رکھتے ہیں۔ اس کا جسم نہیں۔ جہاں اس قدر اجنبیت ہو وہاں محبت کے وجود کا استحکام کیونکر ہو۔ اس کی ضرورت پڑی کہ تکمیلِ محبت کے لیے ایک روحانی راستہ اختیار کیا جائے وہ واسطہ جمالِ الٰہی کا مظہر ہے۔ خدا کے جلال محبت کا اثر مظہر اتم۔ زمین پر ہونے کی وجہ سے ہماری محبت کا جوڑ اللہ تعالیٰ سے ہو۔ لیکن جب اسلام دنیا میں آیا تو اس مذہب نے دنیا کے دوسرے مذاہب کی بے شمار غلطیاں نکالیں۔ ایک طرف فطری آواز ہے کہ اے لامکاں و لازوال محبوب۔ محبت کی آگ جب بجھتی ہے کہ کوئی نمونہ سامنے ہو۔ تاکہ آتشِ محبت کے لیے تسکین کا موجب و باعث بنے۔

اسلام کی توحید کے بلند مقام نے اس بات کی خواہش کی:۔ تکمیل محبت کے نظریہ کے لیے جس رابطہ کی ضرورت لازمی ٹھہری وہ ایسی چیز ہونی چاہیے کہ بتوں سے اس کی کوئی مناسبت نہ ہو، معبودانِ باطل کی تاریخ میں یہ بات ملی ہے کہ انہوں نے جس بت کو پوجا وہ نظر آنے والی چیز ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ کثیف چیز ہے اور سخت جز ہے یہ بت پرستی کی بنیادی مثال ہے۔ ایک طرف فطری جذبہ کی تکمیل مقصود ہے اور دوسری طرف

بت پرستی سے تفریق یعنی جدائی مقصود ہے۔ تو ایک جز کو مخصوص کر کے اس پر اپنے جمال کی تجلی ڈالی۔ وہ چیز کیا ہے؟ (ہوا) ہے۔ یہ کمرہ ہوا سے پُر ہے۔ ہوا کی تشکیل ہونی چاہیے۔ تجلی کے لیے معین چیز درکار ہے۔

ایشیاء یورپ اور افریقہ کا مرکزی مقام مکہ معظمہ ہے۔ جو تین براعظموں کا مرکز ہے۔ اس کے مرکز میں اللہ تعالیٰ نے چار دیواری کے اندر خانہ کعبہ میں جو ہوا ہے اسے متعین فرمایا۔ اسے متعین کرنے کے لیے دیواریں بنائی گئیں۔ دیواروں اور چھت کو بھی تقدس بخشا۔ جیسے قرآن کا غلاف بھی مقدس ہے اگر صرف دیواریں وغیرہ کعبہ ہوتیں تو وہ تو کئی بار گر کر تعمیر ہوئی ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے وقت کعبہ کی نئی تعمیر ہوئی۔ اس وقت یہ کیوں نہ کہا گیا کہ کعبہ کی جب تک تعمیر نہیں ہوتی نماز ادا نہیں کی جائے گی۔

اسی طرح حجاجؒ بن یوسف کے وقت بھی گرا کر نئی تعمیر کی گئی اور نماز جاری رہی۔ اگر چھت وغیرہ اللہ کی تجلی کے لیے متعین ہوتی تو ایک طرف پہاڑ ہے اور دوسری طرف پہاڑ ہے۔ جو کئی سوفٹ بلند ہیں۔ پھر نہ تو کعبہ ہوگا نہ کوئی نماز پڑھے گا۔ بلکہ وہ ہوا مخصوص ہے جو ان چار دیواروں کے اندر ہے اور اوپر تک جو ہوا ہے وہ بھی لطیف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تجلی سبب زندگی ہے۔ ہوا بھی سبب زندگی ہے۔ بت پرستی کے جز و کثافت اور رنگ وغیرہ اس میں موجود نہیں۔

کائنات عالم میں انسان نے ردی ردی چیزوں کی پرستش کی۔ ہوا کا کوئی پجاری نہیں۔ ہوا پر اللہ تعالیٰ نے تجلی ڈالی۔ خانہ کعبہ پر نگاہ ڈالنے کے ساتھ قلب کی کیفیت بدل جاتی ہے۔ قلب میں نورانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اولیٰ ہے اسے تجلی گاہ رب العلمین اولیٰ کا شرف (حاصل) ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے حدیث ہے کہ سب سے پہلے کعبہ کی تجلی گاہ رب العالمین اس کی تشکیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی۔ شرف اولیت حاصل ہونے کے بعد نظام حج کو تکمیل محبت کے نظریہ کے لیے موثر ذریعہ بنایا۔ مقصود یہ ہے کہ انسان کی محبت کی تکمیل ہو۔

کتاب محبت میں دو درس ہیں۔ جسے یہ حاصل ہو گئے اسے محبت حاصل ہو گئی۔ اور اس کی تکمیل ہو گئی۔

سبق (۱) ترک ماسوا محبوب لاجرالمحبوب۔ اصلی محبوب کے کہنے پر دوسرے محبوبوں کو قربان کر دینا۔ یہ اصلی محبت ہے۔

سبق (۲) طلب المحبوب تکمیل المحبت۔ پہلے نفی۔ محبوب حقیقی کے ماسوا اس پر قربان ہونا۔

پھر اس کی طلب میں کھڑا ہو جانا۔ کروڑوں فلاسفروں نے نبی امی صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے سبق سیکھا ہے۔ رمضان کے ماہ کے بعد۔ حج کے مہینے شروع ہو جاتے ہیں۔ شوال اور ذوالحجہ کو حج کے مہینے کہا جاتا ہے۔ ایک معنی میں رکن حج اور رکن روزہ میں مناسبت ہے۔ روزہ ختم ہوا تو حج کی تیاری شروع ہو گئی۔ تو روزہ پہلا سبق ہوا اور حج دوسرا سبق۔ روزہ میں تین محبوب چیزوں کی بندش ہوتی ہے۔ کھانا پینا اور ہم بستری۔ ان تین محبوبات کو اصل محبوب پر قربان کر دیا جاتا ہے۔

حقیقی محبوب اللہ تعالیٰ ہے۔ زمینی اور سفلی محبوبات کو روزہ کی حالت میں ترک کر دیا جاتا ہے۔ تو رمضان کے بعد پہلا سبق ختم ہوا۔ اب شوال آیا تو اب محبوب کی طلب کی تلاش میں نکلو۔ اس کا نام حج ہے۔ لوگوں پر اللہ کی طرف سے ایک خاص کمرہ کا حج کرنا

لازم ہے۔

اس آیت میں درحقیقت حج ہے۔ اور جو کافر بنے اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑتا۔ وہ بے نیاز ہے۔ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں اور دوسرے بزرگوں نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا طرز بیان کیوں بدلا بیان کرنا چاہتا ہے ترک حج کو۔ لیکن اس کی تفسیر چھوڑ کر کفر کی تفسیر کیوں کی۔ ومن کفر فان اللہ غنی عن العلمین۔

باور کرو کہ ترک حج کافرانہ عمل ہے۔ بات کو وزن دار کرنے کے لیے خدا تعالیٰ نے اپنا انداز بدلا۔ جو لندن کا حج کریں۔ اور اللہ کے گھر کا حج نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو (اپنے گھر) حج سے محروم رکھتا ہے۔ حج کرو یا نہ کرو۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں۔ کفر کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حج کو بلند کیا تفسیر روح المعانی میں طبرانی سے نقل ہے من کان لہ سعۃ ولم یحج فلیمت یھودیا ان شاء او نصرانیاً۔ جس کے لیے غنا ہو اور حج نہ کرے۔ یعنی حج کی طاقت رکھتا ہو پھر حج نہ کرے تو اس کی مرضی ہے کہ چاہے عیسائی ہو کر مرے یا یہودی ہو کر مرے۔

قرآن وحدیث کا انداز بیان عجیب ہے۔ کہ اگر نماز ترک کرے تو شرک سے مشابہت دی اور اگر حج ترک کرے تو یہودیت اور عیسائیت سے مشابہت دی۔ وجہ یہ ہے کہ عیسائی اور یہودی نماز پڑھتے تھے۔ سیرت ابن۔ اور سیرت ابن ہشام ملاحظہ ہو۔ کہ عیسائیوں اور یہودیوں کو مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنے کی اجازت تھی۔ وہ صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں اپنے طریقہ پر نماز پڑھتے تھے۔ مگر یہ دونوں حج نہیں کرتے تھے۔ اور مشرکین حج کرتے تھے۔ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اس لیے قرآن وحدیث کے بیان میں اصل سے مطابقت ہے۔

۳۔ کفن!

اس احرام میں تیسری چیز کفن کی یاددہانی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے ہی دو کپڑوں میں جانا ہوگا۔ دربار میں داخلہ۔ حاضری و دربار۔ دوری و دربار۔ خانہ کعبہ کو حاضر ہو۔ دربار الٰہی میں حاضر ہو۔ محبوب کی مظہریت ہے۔ محبوب کے دیدار سے لطف اندوز ہوگا۔

۱۔ طواف!

اس تجلی گاہ کے ارد گرد اس کی طلب میں سات چکر (طواف) لگاتے ہیں۔

۲۔ صفا ومروہ!

جو بلند ٹیلے تھے۔ یہ دربار سے کس قدر دوری ہوگی۔ دوری کے وقت میں پھر نظر باز دید کی کوشش کرتا ہے تو صفا پر کھڑا ہو کر تلبیہ بھی کہتا ہے اور خانہ کعبہ پر نظریں ڈالتا ہے۔ (یہ بعینہ نظر باز عاشق کی طرح دیدار کی کوشش ہوگئی)۔

پھر مروہ سات طواف کرنے کے باوجود بھی دوڑتا ہے۔ اس لیے کہ قلب کی سیرابی نہیں ہوئی۔

۳۔ تکمیل محبت کے لیے!

تیسری چیز عاشقین ومحبین کی حج میں اپنے محبوب کو یاد کرنا ہے۔ میدان عرفات، میدان مزدلفہ یہاں محبان خدا کی بھیڑ نعرے لگاتی ہے۔ دبی ہوئی محبت کی چنگاری یہاں شعلہ زن ہوتی ہے۔

روح المعانی میں منقول ہے (اگر نبوت جاری ہوتی تو فاروق اعظمؓ کو ملتی) منقول ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے قصد کیا کہ چند لوگوں کو حکم دوں کہ اسلامی شہروں میں جا کر دیکھیں کہ جن کو حج کی طاقت ہے۔ مگر وہ حج نہیں کرتے ان کی اطلاع دیں۔ تا کہ کافر کی طرح ان پر بھی جزیہ لگا دوں۔ فرمایا لیسوا ھم المسلمین کہ ایسے لوگ مسلمان نہیں۔

آدمی جس گروہ کا عمل اختیار کرتا ہے۔ یعنی عمل پسند کرتا ہے۔ تو اسی گروہ کی پوشاک بھی پہننا پسند اور اختیار کرتا ہے۔ تو اس لیے اسلام نے احرام تجویز کیا۔ (چادر کی دو تہیں اگر جوڑا بھی ہو تو ٹھیک ہے) پھر تعیش کا سامان ختم۔ خوشبو لگانا ختم۔ ہمبستری ختم۔ لباس ختم۔

ایک خاص وان آتا ہے کہ آدمی پاگل (یعنی دیوانہ عاشق) بن جاتا ہے۔ (احرام) جو عشق کو جنون کہے۔ اللہ تعالیٰ اسے زندگی کے راز سے محروم کرے۔ (زندگی کے راز سے اللہ اس کو محروم کرے جو عشق کو جنون کہے)۔

ا۔ عاشقانہ لباس!

تا کہ ظاہر ہو کہ اس کو ایک سے محبت ہے نہ پوشاک سے محبت۔ نہ سامان تعیش سے محبت۔ محرمانہ لباس عاشقانہ لباس ہے۔

۲۔ مساوات!

دوسری چیز اسلام میں مساوات ہے کہ اغنیاء کا لباس چھوڑ کر غریبانہ لباس اختیار کیا۔

۴۔ تکمیل محبت کے لیے!

چوتھی چیز جو محبوب کا مبغوض ہو۔ اس سے دشمنی کا مظاہرہ کرنا۔ یعنی ابلیس جو نامحسوس ہے اللہ تعالیٰ سے دور رکھتا ہے۔ عدوات شیطان کی پختگی کے خیال سے تین ستون قائم ہیں۔ الٰہی محبت کی تکمیل کے لیے یہ تین جمرات ہیں ان کی رمی کرو۔ کہ ایسی ہستی (شیطان) کی پوری زندگی بات نہیں مانی۔ جھنڈا تو کپڑے کا ہوتا ہے۔ مگر سلطنت کے جھنڈے (علامت) کی وجہ سے اسے سلام کیا جاتا ہے۔

رمی جمرات کے بعد اپنی جان محبوب کی راہ میں دینا۔ جیسے جہاد دیکھو حج کا مقام مقام جہاد نہیں حج میں شکار منع ہے۔ پرندہ وغیرہ شکار نہیں کر سکتے۔ اپنی جان کو مارنا خودکشی ہے۔ حج کی فضا ایسی ہے کہ اس میں پرندہ تک مارنے کی اجازت نہیں۔

جہاد۔ اور خودکشی۔ جہاد جنت میں لے جاتا ہے اور خودکشی دوزخ میں لے جاتی ہے۔ ہمارا بدن اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ مشین ہے۔ کھانے پینے وغیرہ سے اس مشین کو درست رکھا جاتا ہے۔ کائنات عبادت کا کارخانہ ہے۔ مشین کو درست رکھو اور اس سے عبادت کا کام لو۔ اگر مشین کو توڑا جائے تو خودکشی ہے۔ اس لیے جرم ہے۔ جہاد بلند مرتبہ کی عبادت ہے۔ اگر خود کارخانہ کے کام میں خراب ہو جائے تو یہ جرم نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایک تصور قائم کرنے کے لیے۔ ۱۰ ذوالحجہ کو قربانی رکھی کہ جانور کی قربانی کو انسان کی قربانی کے برابر سمجھو۔ حضرت ابراہیمؑ کی قربانی کا یہی فلسفہ ہے۔ جو انسان کی قربانی جانور کی قربانی میں تبدیل ہو گئی۔ اسے انسانی قربانی کا تصور سمجھو۔

نفسیاتی طور پر ایک بنیادی جزو فاسد ماحول سے صالح ماحول میں منتقل کرنا۔ گندہ ماحول ہو تو اس کو علیحدہ کرے۔ گندہ ماحول سے نکل کر پاک ماحول میں آئیں۔

حاجیوں کی رفاقت سے اچھے ماحول کی شرافت سے اخلاق میں ترقی ہوتی ہے۔

جذبہ سیاحت!

اس پاکیزہ سفر سے جذبہ سیاح پیدا ہوتا ہے۔لندن کی سیاحت اور اللہ کے گھر کی سیاحت میں بڑا فرق ہے۔اللہ تعالیٰ نے غلط مصرف سے پھیر کر صحیح مصرف سیاحت کا مقام قائم کردیا۔سیاحت فاسقہ کی بجائے سیاحت اصلاحیہ قائم ہوگئی۔

تشکیل سیاست ملیہ!

سیاست کا لفظ آجکل عام ہے۔ پہلے یہ لفظ ابوداؤد کی حدیث شریف میں دیکھا گیا ہے۔ سیاست کے نام سے کمانے یا کھانے والے سیاست کے معنی سے ایک فیصد بھی واقف نہیں۔

سیاست کا اصل جز انبیاءؑ سے مقصود ہے۔ سیاست پیغمبرانؑ سے چلی۔ پہلے ابوداؤد میں۔ پھر مسلم اور بخاری میں بھی سیاست کا لفظ ذکر ہے۔ جب ایک پیغمبر فوت ہوجاتا تھا تو دوسرا پیغمبر آجاتا تھا۔وہ وقتی سیاست تھی۔

میں خاتم النبیین ہوں۔اس لیے میری سیاست رہتی دنیا تک چلے گی۔ دین سیاست کے اعتبار سے مکمل ہے۔

معنی سیاست!

سیاست الٰہی یا سیاست الرسل وہ نظام ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے حقوق اور انسان کے حقوق کی حفاظت کرے اگر کوئی اس معنی سے انکار کرے۔تو پھر یہ معنی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی تباہ کرے۔اور انسان کے حقوق بھی تباہ کرے۔تمام حکومتوں کے

دستور میں اللہ کے حقوق درج ہیں۔سیاست کے لیے چند چیزوں کی ضرورت ہے۔

۱۔مرکز محسوس، ۲۔ مقصدیت، کہ ملت کے تمام افراد کا ایک مقصد ہو، ۳۔مساوات، ۴۔مجاہدہ۔

قطب الرحیٰ:۔اللہ نے چاہا کہ تم چکی کے درمیان والا۔میخ ہو اور جنگ کی چکی کو گھماؤ۔

حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو رائے دی کہ آپؓ جنگ میں شریک نہ ہوں اگر آپؓ کی موجودگی میں شکست ہوگئی تو مسلمانوں کے حوصلے گر جائیں گے۔ پست ہو جائیں گے۔اس لیے آپؓ مرکز مدینہ میں قائم رہیں۔

تشکیل مرکزیت، خانہ کعبہ!

آسمان کے نیچے ہم سب کا مرکز ایک خانہ کعبہ ہے۔سال میں ایک بار جانے سے مرکزیت سے محبت قائم رہتی ہے۔فولوا وجوھکم شطر المسجد الحرام۔منہ مرکز کی طرف ہو۔

استقلال فوج!

حج بیت اللہ۔ تشکیل مرکزیت ہے۔ وحدت فطرت اللہ ہے۔ مرکز خانہ کعبہ ہے تم جہاں بھی ہو رخ مسجد الحرام کی طرف کرو۔ حیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ، (المسجد الحرام) ۔حضرت ابوایوبؓ انصاری سے روایت ہے کہ جب تم قضاء حاجت کو آؤ تو مرکز کی بے حرمتی نہ کرو۔نہ تو مرکز بیت اللہ کی طرف منہ کرو اور نہ پیٹھ کرو۔ بلکہ شمال وجنوب رخ کرو۔ یہ مرکز کا احساس ہے۔زندگی میں سب سے اونچی چیز نماز ہے اس کے لیے حکم ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف کرو۔اور

زندگی میں سب سے نچلے حصہ کی چیز بول و براز ہے۔ اس کے لیے حکم ہے کہ مرکز کی طرف نہ منہ کرو اور نہ پیٹھ کرو۔ یہ مرکز کا احساس ہوا اور جو مرکز کی طرف منہ کر کے تھوکے گا۔ قیامت کے دن اس کے منہ پر تھوکا جائے گا۔

مقصدیت!

مقصد اظہار کا سبب بنتا ہے۔ بشرطیکہ اس میں دو چیزیں ہوں۔

مسلمانوں کی جماعتیں بنتی ہیں اور تقسیم ہوتی ہیں۔ ملت کے افراد خواہ مقام مرکزیت سے دور ہوں۔ مقصدیت ان میں وحدت قائم کرتی ہے۔ (۱) مادیت نہ ہو، (۲) محدودیت نہ ہو، یعنی لامحدود ہو۔ تنگ اور حد نہ ہو۔ مادی مقصد بعض کو ملے گا اور بعض کو نہ ملے گا۔ چیز ایک کے ہاتھ میں آئے گی اور دوسرے کے ہاتھ سے چلی جائے گی۔ اس میں بنیادی چیز محبت الٰہی ہے یہ مادی نہیں روحانی ہے۔ سینکڑوں کروڑوں لامحدود تعداد اللہ تعالیٰ سے محبت رکھ سکتی ہے۔

لامحدودیت!

محبت۔ امریکہ سے آئی ہوئی گندم تو ہے نہیں۔ مادی چیز تنگ ہوتی ہے۔ ایک کو ملے گی اور دوسرے کو نہیں ملے گی۔ مگر محبت الٰہی بے انتہا سمندر ہے۔ اس میں لاکھوں کروڑوں شامل ہو سکتے ہیں۔

مساوات!

مساوات کا نقشہ حج میں موجود ہے۔ تفاوت اس کا نام ہے کہ ایک اونچا ہو اور ایک نیچا ہو۔ مگر حج میں سب کی ایک حالت ہے۔ بادشاہ ہو یا وزیر، غریب ہو یا امیر سب

کا ایک جیسا عمل ہے۔ اونچے درجہ کے لوگ یعنی امراء یہ اسباب زینت اختیار کرتے ہیں۔ مگر حج میں یہ بند ہے۔ منع ہے کہ غریبوں کے ساتھ جڑے رہو۔ امیر شکار کے لیے جاتے ہیں۔ غریب شکار نہیں کرتے۔ شکار امراء کا شیوہ ہے غریبوں کو اس کا موقع ہی نہیں ملتا۔ اس لیے حج میں شکار بند ہے۔

تاسیس مرکزیت!

قوم کو کبھی کبھی آپس میں مل بیٹھنے کے لیے کوئی جگہ ہو۔ اگر لاہور میں جلسہ ہو تو وہاں ساری مسلم دنیا تو نہیں آسکتی۔

تنظیم محلہ مسجد سے ہوگی۔ بلدی تنظیم۔ جمعہ کی نماز سے ہوگی۔ علاقائی تنظیم عید سے ہوگی۔ اور عالمی مرکزی تنظیم خانہ کعبہ سے ہوگی۔

خطبہ نمبر ۱۱

ضرورت تعلیم و تبلیغ

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اولئک هم المفلحون ۔ مسلمانوں کے تمام غم اور مصیبتیں بظاہر غم معلوم ہوتی ہیں۔ حقیقتاً وہ خوشی ہیں۔

خواجہ عزیز الحسنؒ۔ حضرت تھانویؒ کے خلیفہ تھے۔ ان کا فرزند مختلف امتحانوں میں کامیاب ہوا۔ اچانک بیمار ہوا۔ آپ نے حضرت تھانویؒ کی خدمت میں شفاء کے لیے خط لکھا۔ حضرتؒ نے جو جواب لکھا وہ اس وقت پہنچا۔ جب خلیفہ صاحب کا بچہ فوت ہو کر دفن ہو چکا تھا۔ آپ نے خط پڑھ کر فرمایا میرے تمام غموں کو اس خط نے خوشی میں تبدیل کر دیا۔

خط میں لکھا تھا کہ اے عزیز الحسن مومن کو چند باتوں کا یقین رکھنا چاہیے تیرے بچے کی جو جان لی گئی یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جب یہ فعل اس کا ہے تو آپ دیکھیں کہ جس اللہ نے یہ کام کیا ہے۔ اس کی چند صفات ہیں۔ (۱) وہ مالک ہے۔ اس نے اپنی ملکیت میں تصرف کیا۔ اسے اختیار ہے کہ بیٹے کو دے یا چھین لے۔ (۲) اللہ تعالیٰ کی صفت رحیمیت ہے کہ یہ بات مدنظر رکھیں کہ اس کا ہر کام رحمت ہے۔ (۳) وہ حکیم ہے کہ جو کام کرتا ہے اس میں فائدہ ہوتا ہے۔ یہ جان لو کہ خدا تعالیٰ فائدہ کا محتاج نہیں جو مصیبت مومن پر ڈالے اس میں مومن کا ہی فائدہ ہے۔ یہ

میری تحریر کردہ عبارت اپنے گھر میں لگا دو۔ آپ کا غم دور ہو جائے گا۔

جس مسلمان کے تین بچے (ایک روایت میں ایک بچہ آیا ہے) بلوغت سے پہلے فوت ہو جائیں۔ اسے حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے۔ ایک بچے کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ چھوٹا بچہ کوئی قصور نہیں کرتا۔ محبت غالب ہوتی ہے۔ جس قدر غم زیادہ ہوگا اتنی جنت کی بشارت ہے۔

حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے فرمایا کہ ہر مصیبت اللہ کی طرف سے رحمت ہے۔

حکیم ثنائی کا ایک شعر ہے۔ بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت میں آ کر غم میں فائدہ اور خوشی دیکھی ہے۔ ان حکیم ثنائی کی بزرگی کو جلال الدین سیوطیؒ نے تسلیم کیا ہے۔ کہتے ہیں یا اللہ اگر تو تقدیر کی تختی پر مصیبت لکھے اور وہ دشمن پر نازل کرنا چاہے تو یہ تمام مصیبتیں ثنائی کی کھوپڑی پر نازل کر۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت　　سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

جو آیت تلاوت کی ہے یہ تبلیغ کے متعلق ہے۔ تبلیغ کا معنی پہنچانا کے ہیں۔ اگر آدمی نے خیر پہنچائی تو تبلیغ اچھی ہے نہ تو بُری تبلیغ ہوئی۔ ورنہ نفس تبلیغ نہ اچھی ہے نہ بُری ہے۔ اس کا معیار اس چیز پر ہوگا۔ جس کی تبلیغ کی جائے گی مثلاً مسلمان اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں اور عیسائی کفر کی تبلیغ کرتے ہیں عیسائی ہدایت نہیں پہنچاتے بلکہ ضلالت پہنچاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں چند باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔

مسلمانوں کا پہلا نام امت ہے۔ یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ امت نہیں بلکہ خیر الامت ہے۔ تو خیر الامت کا خطاب ملا۔ امم جمع ہے۔ امت اس گروہ یا جماعت کا نام ہے۔ جس گروہ کا بنیادی مسئلہ نصب العین ایک ہو۔ جن کا مطلب اور نصب العین مختلف ہو یا بدل جائے وہ امت نہیں۔ اگر مسلمانوں کا مقصد ایک ہے تو ان کو امت کہا جائے گا۔ حیوانات میں بھی اگر زندگی کا مقصد ایک ہوتا تو انہیں بھی امت کہا جاتا۔ چوپائے گھاس کھاتے ہیں۔ اور درندے گوشت کھاتے ہیں بعض پرندے گھر بنتے ہیں۔ جیسے مکڑی کا جالا۔ اس مکڑی کی جماعت کے افراد کا یہ بھی مقصد ہے۔ بھڑ کی طرح ایک مکھی ہے جو مٹی اٹھا اٹھا کر گھر بناتی ہے۔ یہ اسی کا کام ہے دوسری کا نہیں۔ چیونٹی سال بھر کی روزی اپنے بل میں جمع کرتی ہے۔ اُڑنے والے پرندے ایک دن سے زیادہ روزی جمع نہیں کرتے۔

معلوم ہوا کہ تمام افراد ایک خاص مقصد رکھتے ہیں۔ جانوروں کا کوئی گروہ ایسا نہیں کہ وہ امت ہے۔ کیونکہ ان کا مقصد ایک نہیں۔ امت کے لفظ نے بتلایا کہ تمہارے بنیادی نصب العین کا ایک ہونا ضروری ہے۔ ورنہ امت کے مطلب سے خارج ہو جاؤ گے۔

تمام مسلمانوں میں سے چاہیے کہ ایک امت ہو۔ یعنی ایک جماعت ہو۔ جس کا مقصد ایک ہو۔ اس میں تبلیغ کی نوعیت کا مقصد بیان کیا گیا ہے۔ اگر تمام لوگ تبلیغ کے لیے نکلیں تو زراعت یا زندگی کے دوسرے مختلف شعبوں وغیرہ کا کام کون کرے گا۔ یہ ایک اہم فریضہ ہے۔ کہ تم مسلمان ضرور ایک ایسی جماعت بنالو۔ جس کا کام صرف دین

پہنچانا ہو۔ انہیں دیگر کاموں سے فارغ رکھو۔ اسے فرض کفائی کہتے ہیں۔ جس کی ذمہ داری سب مسلمانوں پر ہو اور ادائیگی ایک خاص گروہ پر ہو۔ تعلیم عمل کے مطابق ایک تبلیغی جماعت ہونی چاہیے۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ جواب طلبی کرے گا۔ کنتم خیر امۃ اُخرجت للناس۔ تم مسلمانوں سے ایک گروہ ہونا چاہیے جو اسلام کی تبلیغ کرے۔

فرض کفائی!

فرض کفائی کی تشریح۔ کبھی فریضہ خاص ہوتا ہے اور نقصان عام ہوتا ہے۔ اگر ایک جماعت تبلیغ نہ کرے ہم سب ذمہ دار ہوں گے اور اس کو سزا ملے گی۔

انسان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ نوالہ اٹھا کر کھائے۔ تاکہ اس کی حیات باقی رہے اور بھوک سے ہلاک نہ ہو۔ ذمہ داری پورے انسان کی ہے پورے بدن کی ہے۔ لیکن تعلیم عمل کے مطابق نوالہ اٹھا کے منہ میں دینے والا صرف ہاتھ ہے۔ ذمہ داری تمام بدن کی ہے مگر فعل و عمل صرف ہاتھ کرتا ہے۔ اگر ہاتھ یہ عمل نہ کرے تو پورے بدن کو نقصان ہوگا۔

اسی طرح سمجھو کہ ستر کروڑ مسلمان ایک ملت ہیں۔ اور تبلیغ کرنے والی جماعت ایک ہاتھ ہے اگر مبلغین کی جماعت نے اپنا کام ترک کیا تو اس سے پوری امت کی ہلاکت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں تبلیغ کی اس وقت خوبی ہوگی کہ جس جز کی تبلیغ وہ خیر ہو۔ مبلغ خیر کی تبلیغ کرے۔ شر کی تبلیغ نہ کرے۔ خیر نام ہے اسلام کا۔ دنیا میں فائدہ مند چیز کا نام خیر ہے۔

کامل خیر وہ ہے جو سراسر فائدہ ہو اور نقصان نہ ہو۔ اور ناقص خیر وہ ہے جس میں فائدہ اور نقصان دونوں ہوں۔ خیر مطلق یا خیر کامل وہ دو ہیں (۱) جنت، (۲)

اسلام۔

اسلام جو اس جنت کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ جنت میں کوئی شر نہیں اور اسلام میں بھی کوئی شر نہیں۔ باقی دنیوی کاموں میں خیر و شر شامل ہیں۔ مثلاً پانی سے تمام جانداروں کی زندگی وابستہ ہے۔ مگر اس میں نقصان موجود ہے کہ جب ان دریاؤں میں سیلاب آتے ہیں تو بہت تباہی ہوتی ہے۔ آگ بھی ایک معنی میں خیر ہے۔ کھانا اور چائے وغیرہ آگ سے پکاتے ہیں۔ مگر اس میں شر کا پہلو بھی ہے۔ ہوا سب سے بہترین چیز ہے۔ مگر یہ کبھی اپنے ساتھ بے کنارا دار کی جراثیم کو لاتی ہے۔ قوم عاد و ثمود کی تباہی اسی ہوا سے ہوئی۔

تبلیغ بہتر چیز ہے۔ امت کی دعوت کا اجمالی تصور خیر ہے۔ یامرون بالخیر ۔ اسلام میں نیکی کو پھیلاتے ہیں اور بدیوں کو مٹاتے ہیں۔ اگر اسلام کی بجائے کفر کی تبلیغ ہو کہ فلاں لوگ لندن تک تبلیغ کرتے ہیں۔ اگر وہ خیر کی تبلیغ نہیں تو کوئی فائدہ نہیں۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانہ کی نیکیوں کو پھیلانا اور آپؐ کے زمانہ کی بدیوں کو دور کرنا۔ نئی نیکیاں پھیلانا اور نئی بدیاں بنانا یہ ہمارا کام نہیں ہے۔ آجکل مسلمان ان باتوں میں الجھ رہے ہیں۔ جن کا وجود حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھا۔ نہ وہ المعروف کی تعریف میں ہیں اور نہ وہ المنکر کی تعریف میں ہیں۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین سے اللہ تعالیٰ راضی ہے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہے وہ کامل مومن ہیں۔

تبلیغ!

اس جگہ تبلیغ کا جو نتیجہ بتلایا گیا ہے۔ اس سے تبلیغ کی قیمت کا اندازہ ہوگا۔

اسلامی مشن یہ بہاول پور میں اپنی نوعیت کا پہلا ادارہ ہے۔ جو صرف تبلیغی مشن کے لیے بنایا گیا ہے جس کے صدر مفتی محمد صادقؒ صاحب اور سیکرٹری آزاد صاحب ہیں۔

اگر مسلمانوں میں تبلیغ موجود رہی تو پھر کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ اس وقت ہماری تمام مصیبتیں اور پریشانیاں صرف تبلیغ نہ کرنے کی وجہ سے ہیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی مجموعی حکمرانی ایک ہزار سال تک رہی۔ کسی نے ہندوؤں کے کانوں میں کلمہ نہ پہنچایا جس ملک پر ہزار سال حکومت کی تھی وہ تبلیغ نہ کرنے کی وجہ سے سب بھارت میں چلا گیا۔ جہاں علماء نے تبلیغ کی تھی وہاں پاکستان بنا۔ چار کروڑ مسلمان بھارت میں رہ گئے ہیں۔ ان کی مثال بکری کی طرح ہے جس کو جب چاہیں قربان کر دیا جائے۔

مسلمانوں کی سلطنتیں اس لیے نہیں بنیں تھیں کہ اس علاقہ کو ہڑپ کر لیا جائے۔ بلکہ اس لیے بنے تھے کہ وہاں اللہ تعالیٰ کا دین پہنچایا جائے۔

ایک (آرنلڈ) نامی انگریز نے لکھا ہے کہ عربوں کا قدم جہاں جہاں گیا وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہوئی۔ سندھ، کشمیر، بنگال میں عرب پہنچے وہاں مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اسلام تبلیغ سے پھیلتا ہے۔ جہاں بادشاہوں نے ہاتھی نچائے اور تبلیغ نہ کی وہاں کفرستان رہا۔ بعض کہتے ہیں کہ مولوی نے کیا کیا۔ یہ تو صرف مسجد کا متولی ہے اور کچھ بھی نہیں۔ میں نے کہا مسجد میں پہنچنا کوئی آسان کام ہے۔ پاکستان میں کوئی پانچ ہزار مساجد تو ہوں گی وہاں وہ کام ہوتا ہے جو تخت پر بیٹھ کر نہیں ہوتا۔ پاکستان اس اصول پر بنا کہ جہاں لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والے زیادہ ہیں جہاں کم تھے

وہاں ہندوستان بنا۔

یہ کلمہ کس نے سکھایا ہے۔ مولوی نے ہی سکھایا۔ میں نے اپنے رسالہ اسلامی جہاد میں لکھا ہے کہ حکومت کے جتنے بڑے حاکم ہیں انہیں علماء کا احسان مند ہونا چاہیے۔ کیونکہ جہاں کلمہ گو زیادہ تھے وہاں پاکستان بنا۔ جس کی وجہ سے تم حاکم بنے۔ اور کلمہ مولوی نے پڑھایا۔ مولوی کو دعائیں دو۔ مگر یہاں دستار کی کمائی کوٹ پتلون نے کھالی اور گالیاں مولوی کو ملیں۔

مولویوں نے یہاں کوئی ملازمتیں۔ کرسیاں نہیں لیں۔ کم از کم احسان مانو اور احسان جانو ایک صاحب نے کہا کہ مولوی بداخلاق ہیں۔ اس کا کام تو اذان دینا اور مردہ نہلانا تھا۔ کیوں اس لیے کہ مولوی غریب ہے اور انگریزی تعلیم یافتہ امیر ہیں۔ غریب اگر بھوکا ہو جائے اور چوری کرے تو اسے چور کہتے ہو امیر اگر لالچ کرے رشوت لے تو منہ پھیر لیتے ہو آج اگر پٹواری سے نمبر مانگو تو وہ سو روپے میں پڑتا ہے۔ جہاں اتنی رشوت اور سفارش چلتی ہو۔ وہاں فرائض ختم ہو جاتے ہیں۔ رشوت سے بڑی بدنظمی پیدا ہوتی ہے۔ آپ کسی مؤذن کو کہیں کہ آپ کو ایک سو روپیہ دیتے ہیں۔ اذان میں علی الصلوۃ کا جملہ چھوڑ دیں۔ ایسا وہ ہرگز نہیں کرے گا۔ مولوی کا کنکشن اللہ تعالیٰ سے ہے۔ وہ کسی رشوت سے بدنظمی نہیں پیدا کرے گا۔

فلاح!

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو تبلیغ کا نتیجہ بیان فرمایا ہے۔ اسے فلاح کہتے ہیں۔ قرآن نے اسے فلاح کہا۔

فلاح۔ کہ آدمی کو ہر فائدہ حاصل ہو۔ اور ضرر سے محفوظ رہے۔

یہ انسان کی تمنا اور آرزو ہے۔ دنیا کی آبادی ۴/۱/۲ ارب ہے۔ ایک انسان بھی ایسا نہ ملے گا جسے یہ تمنا نہ ہو۔ فلاح انسان کا فطری جذبہ ہے جیسے سانس لینا اور پانی پینا وغیرہ۔

انسان چاہتا ہے کہ ہر راحت نصیب اور ہر دُکھ درد دُور ہو۔

خالقِ فطرت نے اس تمنا کا کیا انتظام کیا ہے۔ پوری انسانیت میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں کہ اسے دنیا میں ہر فائدہ حاصل ہو اور ضرر سے محفوظ ہو۔ امریکہ کا صدر اور روس کا وزیراعظم اس وقت دنیا کے بڑے بت ہیں۔ کیا ان کی یہ فطری خواہشیں پوری ہوگئی ہیں؟ ہر گز نہیں۔

جوانی فائدہ ہے۔ بڑھاپا نقصان۔ تندرستی فائدہ ہے۔ بیماری نقصان زندگی فائدہ ہے مرنا نقصان۔

کیا امریکہ کا صدر اور روس کا وزیراعظم دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہمیں فلاح حاصل ہے؟

اربوں روپے خرچ کردیں۔ بڑھاپا۔ بیماری اور موت آ کر رہے گی۔

اس تمنا کی کوئی صحیح شکل ہوگی۔ یا یہ کہ یہ تمنا ہی غلط ہے! کہ ہر فائدہ حاصل ہو اور ہر ضرر سے محفوظ ہو۔

حضرت آدمؑ سے لیکر آج تک ایک آرزو اور تمنا پر اتفاق ہو اور سب کی خواہش ہو۔ اسے غلط نہیں کہا جاسکتا۔ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ کروڑوں انسان غلط تمنا کریں۔

فلاح اتنی بڑی دولت ہے کہ یہ دنیا کے تنگ پیالے میں نہیں آ سکتی۔ ایک چائے کی پیالی میں اگر سمندر نہیں سما سکتا۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ سمندر موجود نہیں۔ کشادہ چیز تنگ پیالے میں کیسے آ سکتی ہے۔ فلاح اگر دنیا میں نہیں۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ فلاح موجود نہیں۔

خالق کائنات نے انسانی زندگی کا نظام کچھ ایسا رکھا ہے کہ جوانی سے بڑھاپا اور پھر مر جائے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو تنگ سمجھ کر اس میں کچھ تغیرات پیدا کئے ہیں۔ یہاں سلامتی نہیں۔ زندگی ہوگی۔ تو موت بھی ہوگی تاکہ کچھ لوگ قبرستان جائیں اور دوسرے نئے لوگ دنیا میں آئیں۔ تو دنیا کی ساخت اور بناوٹ عجیب سی رکھی گئی ہے۔ دنیا دارالمحن ہے۔ یہ تنگ پیالہ ہے۔ اس میں ہمیشہ کی راحت۔ ہمیشہ کی خوشی نہیں سما سکتی فلاح اپنے مقام آخرت یعنی جنت میں ہے۔

آخرت کی حیثیت پیغمبرؐ سے پوچھا ایک بقاء ہے جس میں فنا نہیں اور زندگی ہے مرنا نہیں اور تندرستی ہے بیماری نہیں اور ایسی خوشی ہے جس میں غم نہیں۔

غم کا تنگ پیالہ۔ دنیا ہے اور خوشی کا کشادہ پیالہ۔ جنت ہے دل میں اس فلاح کی کشش رکھی گئی ہے۔ فلاح اور آخرت کی زندگی آدمی خدائی ہے۔ خداتعالیٰ وہ ذات ہے جو چاہے سو کرے۔ حقیقت میں انسان کی چاہ یہ ہے کہ خوشی کا لامتناہی سمندر ہو۔ تو جنت میں جی چاہا ملے گا۔ انی جاعل فی الارضة خلیفه۔ یہ حضرت آدمؑ کے لیے فرمایا کہ ہم زمین میں اپنا نائب بنانے والے ہیں۔ نائب کے کچھ اختیارات ہوتے ہیں۔ جنتی جو چاہے وہ ہو۔ اور جو کرے وہ ہو۔

تدبیر حصول فلاح!

فلاح کے حاصل کرنے کی تدبیر کیا ہے۔ کامیابی اس کا نام ہے۔ دیکھو کشمیر سے مراکش تک ہارون الرشید کی سلطنت تھی۔ ایک بزرگ نے ہارون کو یوں کہا اسلام ہو تجھ پر اے غریب۔ یہ بزرگ حضرت حاتم تھے تو بادشاہ نے کہا کہ پوری دنیا پر بڑی سلطنت تو میری ہے۔ بزرگ نے فرمایا خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ قل متاع الدنیا قلیل۔ کہہ دو کہ پوری دنیا و مافیہا قلیل چیز ہے اور فرمایا ہم تو اس دنیا کو اپنی تمنا سے بہت کم سمجھتے ہیں۔ دیکھو آخرت کے متعلق۔ خالق آخرت سے پوچھو۔

حدیث شریف میں ہے کہ جنتی جب جنت کو جھانکے گا۔ خوشی سے بھاگے گا اور کہے گا یہ میرے ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ یہ ملک کبیر ہے۔ صوفیوں کا مقولہ ہے کہ دنیا مطلوب ہے آخری مقصود نہیں۔ دنیا آخرت کمانے کا ایک ذریعہ ہے۔

حلال روزی کماؤ کہیں اس کو آخری مقصود نہ بناؤ۔ کافر اور یورپ نے اسے آخری مقصود سمجھا۔ جو تنگ چیز پہ نظر رکھے۔ وہ تنگدل ہے۔ یورپ اور امریکہ تنگدل ہیں۔ کیا مولوی تنگ دل ہے؟ ہم تو جبریل پر اکتفاء نہیں کرتے مرد و زن کی فطرت متضاد ہے۔ دونوں کے خیالات۔ دائرہ فکر میں فرق ہے۔ یورپ کی یہ کوشش ہے کہ عورت عورت نہ رہے۔ عورت کا دائرہ زیورات اور کپڑے ہیں۔ باقی پروگرام عورت کے لیے ہنر ہے۔

ایسی عورت کم ہوگی جو کمانڈر انچیف بن کر بھارت کو فتح کرے قدرت نے کمال زن اور کمال مرد میں تنگی و فراخی رکھی ہے۔

زن را چار چیز آمد کمال از سباب والجدال والقتال

اللہ تعالیٰ نے مرد کے مقصد میں بلندی رکھی ہے۔

منصور عباسی بزرگ بادشاہ تھا۔ اس نے دو کروڑ روپیہ صرف کر کے ایک محل بنایا اعلان کیا کہ اس محل میں جو عیب نکالے گا اسے انعام دیا جائے گا۔

ایک درویش آیا۔ اس نے کہا اس میں دو عیب ہیں (۱) کہ یہ محل ہوگا مگر آپ نہ ہوں گے (۲) کہ یہ محل ہوگا مگر اس میں آپ کا دشمن ہوگا۔ یعنی اگر کوئی آپ کو فتح کرے تو یہ آپ کے دشمن کو اپنے اندر جگہ دے گا۔ تو جو آپ کا جانشین ہوگا۔ وہ اس میں رہے گا۔

فلاح کے اسباب!

اگر تم نے اسلام کی تبلیغ کی تو تمہیں فلاح ملے گی۔ تمام مسلمانوں سے ایک خصوصی جماعت کا ہونا لازمی ہے۔ جو دنیا کو اسلام کی دعوت دے اور اسلامی تبلیغ سے برائیوں کا خاتمہ کرے۔ ایسی تبلیغ کرنے والے فلاح پائیں گے۔

کھانا پینا۔ نر و مادہ کا جوڑ۔ یہ تو حیوانات میں بھی ہے۔ یہ حیوانی مقصد ہے۔

انسان کا مقام تو بلند تر ہے۔ صرف اسی میں اپنی زندگی برباد نہ کر دی جائے۔

مسلمان۔ یعنی انسان کامل پر اسلام کے فرائض ہیں۔ آپ نے اسلام کو پھیلانا ہے۔ یہ خیر المقاصد ہے۔ اسلام پوری دنیا کا عالمگیر مذہب ہے۔

عیسائی مذہب تبلیغی نہیں۔ انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ صرف یہودیوں کے سدھارنے کے لیے ہیں۔ عیسائی غیر تبلیغی مذہب ہو کر پاکستان میں تبلیغ کر رہے ہیں۔

وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیراً و نذیرا ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا مذہب کل دنیا میں تبلیغ کرنا تھا۔ عیسائی تو اپنے گھر میں بھی تبلیغ نہیں کر رہے۔ آج مسلمانوں نے یورپ کی اچھی باتیں نہ لیں اور بُری لے لیں۔ آج دنیا میں کوئی ایک خدا کو نہیں مانتے اور عیسائی تین خدا مانتے ہیں۔

خدا کا اسلامی تصور یہ ہے کہ خدا وہ ہے جس میں ہر کمال ہو۔ اور ہر نقص سے محفوظ ہو۔ پاک ہو۔ پوری کائنات اس کی محتاج ہو اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔

حضرت شیخ جیلانیؒ نے فرمایا۔ کہ سب حاجتیں اللہ سے مانگو اور کسی حاجت کے متعلق کسی پر کچھ بھروسہ نہ رکھو۔ عیسیٰ روٹی کھاتے تھے۔ وہ گندم کے محتاج تھے۔ گندم میں مٹی پانی ہوا سورج کی آتش ستاروں کی کشش۔ ان سب کی محتاجی شامل ہے۔ جو ایک ادنیٰ چیز کا محتاج ہو وہ کائنات کے ایک ایک ذرہ کا محتاج ہے۔

سبحان اللہ ایک نوالہ اربوں چیزوں سے بنتا ہے۔ تو جو ہر چیز کا محتاج ہو وہ خدا ہوسکتا ہے؟ خدا کسی چیز کا محتاج نہیں۔ پوری کائنات اس کی محتاج ہے ہم مسیح کے خالق کے بندے ہیں۔ جس قوم کے مذہب میں تبلیغی نصاب یا مقصد نہیں وہ تو بڑھ چڑھ کر تبلیغ میں حصہ لے رہی ہے اور جسے تبلیغ کی وجہ سے خیر الامت کا خطاب ملا۔ وہ ٹانگیں پھیلا کر عیش وعشرت میں لگے پڑے ہیں۔ بلکہ جو اس فریضہ کو ادا کر رہے ہیں ان کا مذاق اُڑایا جاتا ہے۔

۲۴ فروری ۱۹۵۷ء کے ایک رسالے میں لکھا ہے۔ کہ عیسائی قوم اپنے مذہب کے لیے ۲۵ دسمبر کو قربانی کرتے ہیں۔

امریکہ نے ۲۵ دسمبر ۱۹۵۷ء کو ۱۳ کروڑ، ۴۲ ہزار، ۱۳۹۷ اشتہارات تقسیم کیے۔

دو کروڑ ۵۲ ہزار ۷ سو تبلیغی کتابیں شائع کیں۔

۲ کروڑ ۸۷ ہزار بڑے بڑے پوسٹر ہوائی جہاز کے ذریعے گرائے گئے اور دیواروں پر چسپاں کیے گئے۔

ایک کروڑ چھوٹی انجیل تقسیم کی گئی۔

ایک لاکھ بائبل تقسیم کی گئی جو بڑی انجیل ہے اور جس میں نیا اور پرانا عہد نامہ ہے۔

۲ ہزار ۳۵۶ پادری، ۲ ہزار لیکچرز دیے۔ امریکہ کی ایک دن کی یہ کاروائی ہے۔ جان فیبر۔ عیسائی نے ۷/۱/۲ کروڑ روپے تبلیغ کے لیے چندہ دیا۔

مگر پاکستان میں تبلیغی کام کرنے والوں کا مذاق اُڑایا جاتا ہے حالانکہ وہ تبلیغ بھی اپنے خرچ پر کرتے ہیں۔ جو حکومت کا فریضہ ہے۔

الذین إن مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوۃ واٰتوا الزکوۃ و امروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور۔

ترجمہ۔ ہم جنہیں اپنی زمین پر حاکمیت عطا کرتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ نماز قائم کریں۔ زکوٰۃ ادا کریں اور نیکی پھیلائیں اور بُرائی روکیں۔

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اصل حاکمیت میری ہے۔ بندہ کی نہیں میں جو چاہوں گا وہ پورا کرنا پڑے گا۔ یعنی خدا تعالیٰ کا حکم چلے گا۔ بندے کا نہیں۔

تو اللہ فرماتے ہیں کہ ہم جنہیں حاکمیت عطا کرتے ہیں۔ ان سے چار چیزوں کا مطالبہ بھی کرتے ہیں۔ نماز قائم کریں۔ زکوٰۃ دیں۔ نیکی پھیلائیں بُرائی روکیں۔

تو اس سے معلوم ہوگیا کہ حکومت کو چاہیے کہ سرکاری طور پر ایک گروہ ایک جماعت یا ایک امت متعین کرے جو ملک وغیرہ میں صرف اور صرف دین کی تبلیغ کرے۔ اور ان کی مالی ضروریات سرکاری خزانہ سے ادا کی جائیں۔ کیونکہ یہ حکومت کا فریضہ ہے۔

جس طرح حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم اصحاب صفہ کو تعلیم دیکر دور دراز علاقوں میں تبلیغ کے لیے بھیجا کرتے تھے۔

بصورت دیگر اگر حاکموں نے اس فریضہ سے کوتاہی برتی۔ ان چار مطالبوں کو پورا نہ کیا۔ تو پھر آگے انجام کی آیت بھی فٹ کردی۔ **وللہ عاقبة الامور** ۔ کہ سب کاموں کی چابی ہمارے ہاتھ میں ہے۔ کہ جب اور جس وقت۔ جہاں اور جس صورت میں چاہیں حکومت چھین لیں گے۔

دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی ہماری حکومت کو اس کام کی توفیق دے۔

خطبہ نمبر ۱۲

اتحاد بین المسلمین

اس تقریر میں ضلعی آفیسران صاحبان، ومحکمہ جات کے سربراہان اور علماء کرام شامل تھے تقریر کے اہم حصے تحریر ہیں۔ کمشنر و ڈی سی صاحبان بہاولپور وغیرہ وغیرہ سب موجود تھے۔

تقریر کے شروع میں آیت **واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً** ۔ کی تلاوت فرمائی اور اس کی مختصر تفسیر بیان کی اور اتحاد واتفاق کی برکتوں کا بیان فرمایا۔ بعد میں درج بیان فرمایا:۔

آج علماء حق سے یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ باطل کے مقابل میں بھی خاموش رہیں اور اس طرح سے اتحاد کے لوازم کو پورا کریں۔ اس وقت منکرین ختم نبوت کا مسئلہ اہم صورت اختیار کر گیا ہے۔ انگریز کے دور میں بھی اس ٹولے کی اس قدر ناز برداری نہیں کی گئی جو اب کی جا رہی ہے۔ یہ دراصل سیاست سے بے بہرہ ہونے کا ثبوت ہے۔ انگریز واقعی سیاست دان تھا۔ ہم اس کی عریانی اور بے حیائی وغیرہ میں تو تقلید کرتے ہیں لیکن سیاست اس سے نہیں سیکھی۔ باوجود اس کے کہ مرزائی انگریز کی پیداوار ہیں۔ ظفر اللہ خاں اس وقت وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا ممبر تھا اور انگریز کو مرزائیوں کی ہر طرح خاطر مطلوب تھی قادیان میں احرار کانفرنس کا معاملہ پیش آیا۔ تو ظفر اللہ خاں نے وائسرائے پر اس بات کا زور دیا کہ کانفرنس بالکل بند کردی جائے۔

تو وائسرائے نے اسے جواب دیا کہ ہم اس قدر بے وقوف نہیں کہ تمہارے چند ہزار افراد کو خوش کرنے کے لیے دس کروڑ مسلمانوں کی ناراضگی مول لیں۔ ہمارا کانفرنس کو روکنا سیاسی تدبر کے خلاف ہے مگر آج کے ہمارے فرمانرواؤں کی سیاست یہ ہے کہ پاکستان کے گیارہ کروڑ افراد کو ہی نہیں بلکہ دنیا کے پچانوے کروڑ مسلمان کے مقابل میں دنیا بھر کے دو لاکھ (جو پاکستان میں ایک لاکھ ہوں گے) مرزائیوں کو خوش کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔

آپ لوگ علماء کرام سے اور کیا رواداری کی توقع رکھتے ہیں۔ جبکہ انہوں نے جھوٹی نبوت کے کاروبار کو برداشت کرلیا ہے۔

مثال کے ذریعے آپ کو سمجھاتا ہوں۔ نبوت کے مقام کی بلندی کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔

ہمارے ملک کے صدر مملکت کی حیثیت منصب بنوت کے گرد پا تک بھی نہیں پہنچ سکتی ہے۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ ایک جگہ سرکاری مقرر کردہ تحصیلدار کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا آدمی تحصیلدار ہونے کا دعویدار بن جائے اور تحصیلداری کا کام بھی انجام دینا شروع کردے۔ تو حکومت کا کیا ردعمل ہوگا؟

کیا وہ اسے برداشت کرلیں گے؟ کیا یہ کہیں گے کہ چلو اس کا کاروبار چلنے دو۔

لیکن ہماری رواداری کا تو یہ عالم ہے کہ ہم جھوٹی بنوت کو برداشت کیے بیٹھے ہیں۔

امیر المومنین، امہات المومنین، سیدۃ النساء خلیفۃ المسلمین وغیرہ اصطلاحات کا بے دھڑک استعمال ہو رہا ہے۔

اگر امیر المومنین ربوہ میں بیٹھا ہے تو پھر ہمارے ملک کا صدر بھی اس کا ماتحت ہے۔

اس کا کوئی جواب ہے؟

مرزائیوں کی جرات اور جسارت روز بروز بڑھ گئی ہے۔ آج کے حالات میں جبکہ حکومت مرزائیت کی جارحیت کے مقابل میں مدافعت کو جرم قرار دے رہی ہے میرے نام بھی مرزائیوں کے پمفلٹ بذریعہ ڈاک موصول ہوئے ہیں۔ یہ دراصل ان کی طرف سے چیلنج ہے کہ تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اور ہم اپنی من مانی کر سکتے ہیں۔

مرزائی کا ہم رہنا بھی براشت نہیں کر رہے ہیں بلکہ اس گروہ کو گیارہ کروڑ افراد کے حقوق اعلیٰ ملازمتوں کے تفویض کردیئے گئے ہیں۔

ان کی جھوٹی نبوت کا دھندا چل رہا ہے اور کونسی رواداری کی ہم سے توقع ہے۔

مرزا غلام احمد نے جو گالی دنیا بھر کے مسلمانوں کو دی ہے۔ اس کے مقابلے میں اگر سب مسلمان ملکر بھی اسے برا بھلا کہیں تو مقابلہ نہیں کرسکتے۔

اس نے اپنے مخالفوں کے لیے (حرامی) کی گالی تجویز کی ہے۔ جس میں آج سے ساٹھ سال قبل کے تمام دنیا کے مسلمانوں سے لیکر قیام قیامت تک کے سب چھوٹے بڑے۔ مرد، عورت، بچے، بوڑھے شامل ہیں۔ لیکن نہ آج تک کسی مرزائی کو مسلمان نے راستے میں پکڑ کر مارا نہ اس کی گالی گلوچ کی۔ اور نہ ملک سے نکالا۔ بلکہ بڑے بڑے عہدے اس کے سپرد کردیئے گئے۔ مزید اس نے اپنے نہ ماننے والے تمام مسلمانوں کو کتی کا بچہ کہا ہے۔ کیا ایوب خاں تم کتی کے بچے ہو؟

یہ گروہ یہود کا چربہ ہے۔ اس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، نہ کہ مدافعت کرنے والے کو گردانا جائے اور جارحیت کرنے والوں کو کوئی پوچھے تک نہیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔

نوٹ:۔ تقریر کے آخر میں حضرت جیؒ نے اعلان فرمایا کہ اگر آپ کے نزدیک اتحاد و اتفاق کا یہ مطلب ہے کہ مرزائی اپنے معتقدات کے بارے میں جو کچھ کہیں اور جن خیالات کا اظہار کریں۔ انہیں ہم غلط نہ کہیں اور ان کی جارحیت کی مدافعت نہ کریں۔ تو یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔

ہم مٹ تو سکتے ہیں لیکن مرزائیت کی تائید نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد کسی اور تقریر کی ضرورت محسوس نہ کی گئی اور ڈی سی صاحب نے اپنے خطاب میں حضرت جیؒ کی تقریر کی افادیت کو تسلیم کیا اور اس امر کا اعلان کیا کہ جارحیت کی اجازت نہ دی جائے گی۔ یعنی میں اپنے علاقے میں مرزائیوں کو جارحیت نہیں کرنے دوں گا۔

نوٹ:۔ اس تقریر کا پس منظر یا سبب کیا ہے؟

مئی ۱۹۶۸ء ایوبی دور میں پورے ملک میں حکام بالا کی طرف سے ڈی سی صاحبان کو حکم ملا کہ اپنے اپنے علاقے میں اتحاد بین المسلمین کے عنوان کے تحت تقاریب منعقد کریں۔ جس میں ملک بھر کے علماء کو تاکید کریں کہ وہ (مرزائیوں) سے اتحاد اور تعاون کریں۔

تو ڈسٹرکٹ کونسل ہال بہاول پور میں تقریب منعقد کی گئی جس میں کمشنر صاحب کے علاوہ تمام ضلعی آفیسران صاحبان موجود تھے ادھر معززین شہر کے علاوہ علماء کرام بھی کافی تعداد میں جمع تھے حضرت جیؒ کو بھی سرکاری گاڑی لینے گئی۔ جب حضرت جیؒ تشریف لائے تو چند علماء نے آفیسران بالا سے آنکھ بچا کر گاڑی میں ہی حضرت جیؒ کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ تو حضرت جیؒ نے جوش سے اپنے دایاں ہاتھ کو اپنے سینے پر مارتے ہوئے فرمایا (ہم بولیں گے) مگر دیکھتے ہی دیکھتے علماء صاحبان آفیسران صاحبان سے آنکھ بچاتے ہوئے ہال سے فرار ہوگئے اور یوں پھر حضرت جیؒ نے یہ تقریر پُر تاثیر فرمائی۔

اس مضمون کا پس منظر یا سبب یہ ہے کہ ایک مغربی مفکر جوزف کرافٹ نے اسلام کے خلاف اور عیسائیت کے حق میں ایک مضمون لکھ کر (ہیرالڈ انٹرنیشنل) سے شائع کر کے پوری دنیا میں تقسیم کرا دیا۔ پاکستان میں بھی آیا۔

اور اس میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ دنیا میں صرف عیسائیت ہی ایک قابل قبول مذہب ہے۔

محترم جناب صدر محمد ضیاء الحق صاحب شہیدؒ کی نظر سے گذرا۔ چونکہ آپ ایک مذہبی صدر تھے۔ اس کا نوٹس لیا۔ اور حضرت جیؒ کی خدمت میں اس کے جواب کی درخواست کی۔ تو صدر صاحبؒ نے حضرت جیؒ سے یہ جواب تحریر کرا کے بعینہ اسی طرح پوری دنیا میں تقسیم کرا دیا۔ بعد ازاں پھر عیسائی مفکروں کو آج تک اس کے جواب میں مضمون لکھنے کی جرأت نہ ہوئی۔

۱۳ جوزف کرافٹ کے اعتراض کا جواب

جوزف کرافٹ کے مضمون کا مقصد ہمدردی کے لباس میں مسلمانوں کو اس امر پر آمادہ کرنا ہے کہ وہ نام نہاد ترقی کی خواہش کی تکمیل کی خاطر اسلام کی تحریف پر آمادہ ہو جائیں۔ جیسے کہ مسیحی مذہب میں پولس یہودی، سینٹ پال اور لوتھر کے ذریعے ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسیحی مذہب کو حضرت مسیحؑ سے کوئی تعلق نہ رہا۔ بلکہ اس کو پولس یہودی مذہب قرار دینا ہی زیادہ موزوں ہوگا۔ مشہور مسیحی محقق البستانی دائرۃ المعارف میں لکھتا ہے۔ جو کٹر مسیحی ہے کہ تثلیث کا لفظ سب سے پہلے سینٹ پال اور پولس سے سنا۔ جو متعصب یہودی تھا اور اس نے مسیحی توحید کو شرک سے آلودہ کر کے کامیابی کا سانس لیا۔

انجیل کا حال یہ ہے کہ وہ ایک تھی اور اب چار ہیں۔ نجار مصری قصص الانبیاء میں لکھتے ہیں کہ ابتدائی تین صدیوں میں ایک سو سے زائد انجیلیں تھیں جو بعد میں ان سے چار کا انتخاب کر کے باقی کو ترک کر دیا گیا اور یہ فیصلہ بھی نالیسیا کونسل نے ایک فال کے بنا پر کیا پھر ان چار اناجیل کا یہ حال ہے کہ یورپ سکلس کے قدیم کتب خانہ سے انجیل برنابا برآمد ہوئی۔ جس کے مضامین دربارہ ولادت مسیحؑ اور بشارت پیغمبرؐ کی رسالت پر مشتمل تھی۔ پوپ کا مقرب شاگرد فرامرشو اس کو دیکھ کر مسلمان ہوا۔ یہ انجیل اصلی تھی۔ المنار پریس میں چھپ گئی ہے محققین یورپ متفق ہیں کہ ان انجیلوں میں سے ایک بھی حضرت مسیحؑ کی نہیں اور نہ ان کا ترجمہ اور نہ ان کی سند ہے۔ پھر بھی محققین مسیحیت کا انجیلوں کے متعلق یہ رائے ہے یعنی انجیل متی۔ مرقس۔ لوقا اور یوحنا۔

انجیل متی!

قدما نصاریٰ کا اتفاق ہے کہ یہ اصل انجیل نہیں اور نہ اس کا ترجمہ ہے اور بالفرض اگر ترجمہ ہے تو نہ ترجمہ کا زمانہ معلوم ہے اور نہ مترجم کا نام اور نہ متی حضرت عیسیٰ کا صحابی ہے۔

انجیل مرقس!

پطرس گوانا گو مروج الاخبار میں لکھتا ہے کہ مرقس یہودی تھا۔ جس نے رومیوں کے مطالبہ پر یہ انجیل لکھی۔ غالباً ۶۰ء میں لکھی۔

انجیل لوقا!

مسٹر گڈل رسالہ الہام میں لکھتا ہے کہ لوقا کی انجیل الہامی نہیں۔ کیونکہ لوقا نے خود ابتدا میں لکھا ہے کہ اس نے یہ انجیل شاہ فیلکس کے ساتھ خط وکتابت کی بنیاد پر لکھی۔ لوقا انطاکیہ میں ملازمت کرتا تھا۔ مسیحیت کو اس نے بدترین دشمن مسیحیت سینٹ پال سے لیا تھا اور ابنیت، کفارہ، شراب نوشی، مردار کی حلت، خنزیر کی حلت مسیحیت میں داخل کی۔

انجیل یوحنا!

کیتھولک ہیرالڈ جلد ۷ میں پروفیسر لق سے نقل کیا ہے کہ انجیل یوحنا از ابتدا تا انتہا اسکندریہ کے ایک طالب علم کی تصنیف ہے۔ (الفاروق باجہ زادہ ص ۳۴۲)۔

مسیحی محققین کی ان آراء کے علاوہ خود بائبل میں ایسے مضامین موجود ہیں جو موجب توہین خدا توہین انبیاء اور موجب توہین شریعت ہیں جو تحریف کی داخلی شہادت ہے۔

بائبل کی تحریف کی داخلی شہادت!

اگر تاریخی شہادتوں اور خود محققین یورپ کے اقرار سے قطع نظر کی جائے تو خود بائبل کے اندر ایسے مضامین موجود ہیں۔ جن سے ان کی تحریف نمایاں طور پر واضح ہو جاتی ہے۔ دین ومذہب میں بنیادی مسائل تین ہیں۔

۱۔ تصور الوہیت، ۲۔ تصور نبوت، ۳۔ تصور مجازات اعمال یا آخرت ہر مذہب کے یہ بنیادی اصول ہیں۔

۱۔ تصور الوہیت میں خدا کی عظمت وتنزیہ وتقدس کا ہونا ضروری ہے تاکہ انسان اس کی صحیح معرفت کو پا سکے اور قلب اس کی شان جلال وجمال سے منور ومعمور ہو سکے۔

۲۔ تصور نبوت کو ایسے انداز سے پیش کیا جائے کہ انسان کا دل ودماغ نبی کی عظمت وعصمت کے آگے جھک جائے اور اس کی اطاعت کی تڑپ اس کے دل میں پیدا ہو۔

۳۔ تصور مجازاۃ وجزاء اعمال کا نقشہ ایسا ہو کہ انسان کو نیکی کی ترغیب اور بدی سے خوف اور نفرت دلائے اور نتائج اعمال کا دینی تصور اس کو اطاعت پر آمادہ کرے اور معصیت سے روک دے کیونکہ ابشار نتائج خیر اور انذار نتائج شر کا مقصد انسانی شخصیت کی اصلاح اور جماعتی زندگی کی پاکی ہے۔

اسی معیار پر اب ہم بائبل کی تعلیمات اور ہدایات کو پرکھتے ہیں کہ وہ تینوں تصورات کے مقاصد کو کہاں تک پورا کرتی ہے۔

تصورِ الوہیت اور بائبل!

۱۔ خداوند زمین پر انسانی پیدائش کرنے سے پچھتایا اور دلگیر ہوا۔ (تورات پیدائش ورس ۵۔۶)

۲۔ پچھتاتے پچھتاتے میں تھک گیا۔ (کتاب پرسیا باب ۵، ورس ۶) خط کشیدہ الفاظ سے خدا کا جاہل اور مغموم ہونا اور تھکنا ثابت ہوتا ہے جو کسی طرح اللہ کی شایانِ شان نہیں۔

۳۔ تم بے شک اس زمین کو نہ پہنچو گے جس کی بابت میں نے قسم کھائی ہے کہ میں تمہیں وہاں بساؤں گا۔

(تورات گنتی باب ۱۴ آیت ۳۰ پھر آیت ۳۵ میں ہے) تب تم میری عہد شکنی کو جان لوگے۔ قسمیہ عہد کو توڑنا شریف انسان کی شایانِ شان نہیں چہ جائیکہ خالق کائنات کی۔

۴۔ یعقوب صبح صادق تک تمام رات خدا کے ساتھ کشتی کرتا رہا اور صبح جب جانے لگا تو یعقوب نے بغیر برکت لیے جانے نہ دیا۔ (پیدائش باب ۳۲ آیت ۲۴)

۵۔ خدا ان کے اندام نہانی کو اکھاڑ دے گا (کتاب یسعیاہ باب ۳ آیت ۱۸)

۶۔ خدا خیمے کے دروازے پر کھڑا ہوا اور اس کے منہ سے آگ اور نتھنوں سے دھواں نکلا اور سوار ہو کر دوڑا۔ لوگوں نے موسیٰ و ہارون کے ساتھ خدا کو کرسی پر بیٹھے دیکھا اور کھایا پیا۔ اس کا لباس سفید برف کا سا تھا اور اس کے سر کے بال ستھرے اون کے مانند تھے۔ (اول سلاطین باب ۲۲)

۷۔ ہمارا خدا یہودا سے پیدا ہوا۔ (عبرانیوں باب ۷ آیت ۱۴)

۸۔ خدا کی بیوقوفی لوگوں کی حکمت اور اس کی کمزوری لوگوں کے زور سے زیادہ ہے۔ تو میرا بیٹا ہے۔ تو آج مجھ سے پیدا ہوا۔ (اعمال باب ۱۳ آیت ۳۲)

ان حوالہ جات سے آپ خدا کے بائبلی تصور کا اندازہ لگا لیجئے جس سے بڑھ کر خدا کی توہین کیا ہو سکتی ہے۔ پھر قرآن کا یہ حکم کہ لیس کمثلہ شی، ولم یکن لہ کفواً احد کو تصور کیجئے کہ خدا کی ہستی کسی شی کی مانند نہیں اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔

بائبل اور تصورِ نبوت

۱۔ نوح شراب پی کر بدمست ہو گئے۔ ستر ان کا برہنہ ہوا اور اُن کے بیٹوں نے ڈھانکا۔ (پیدائش باب ۱۹)

۲۔ لوط نے شراب پی کر اپنی بیٹیوں سے زنا کیا اور معاملہ دوبار وقوع میں آیا۔ (پیدائش باب ۱۹)

۳۔ حضرت یعقوب نے بکری کے بچوں کی کھال ہاتھ پر لپیٹ کر جھوٹ بولا اور اپنے باپ کو دھوکہ دینے کے لیے اپنا نام عیص بتلایا۔ (پیدائش باب ۲۷)

۴۔ حمور کے بیٹے سکم نے حضرت یعقوب کی بیٹی دینا سے زنا کیا۔ (پیدائش باب ۳۴)

۵۔ بنی اسرائیل کے کہنے سے موسیٰ کی غیبت میں ہارون نے زیور کا بت بنوایا اور بنی اسرائیل سے اس کو پجوایا اور اس کے لیے قربانی گذارنے کا حکم دیا اور کہا یہ

تمہارا معبود ہے جو تم کو مصر کی زمین سے نکال لایا۔ (خروج باب ۳۲)

۶۔ داؤد بام پر چڑھے۔ حتی اور یا کی جورو کو نہاتے دیکھ کر اس پر فریفتہ ہوا اور بلوا کر اس سے زنا کیا۔ جب وہ حاملہ ہوئی تو اس کے خاوند کو مکر سے مروا ڈالا (سموئیل کی دوسری کتاب باب ۱۱)

۷۔ حضرت سلیمان نے باوجود مخالفت کے موابی اور عمونی بت پرست عورتوں کو بیوی بنایا اور خواہشِ نفسانی کی یہ طغیانی ہوئی کہ سات سو بیگمات اور تین سو حرموں تک نوبت پہنچی۔ پھر ان پر یہاں تک عاشق اور مرید زن ہوئے کہ بتوں کی طرف مائل ہوئے اور آخری عمر میں ایمان کو بھی سلام کر گئے۔ (اول سلاطین باب ۱۵)

۸۔ ہم ایمان لاتے ہیں کہ تو خدا سے نکلا ہے۔ یعنی یسوع (یوحنا باب ۱۶ آیت ۳۰)

۹۔ یسوع نے کہا۔ آسمان اور زمین کا کلی اختیار مجھے دیا گیا۔ (متی باب ۲۸ آیت ۱۸)

۱۰۔ جتنے مجھ سے پہلے آئے ہیں وہ سب چور اور ڈاکو ہیں (یوحنا باب ۱۰ آیت ۳۷)

نبی امت کے لیے نمونہ عمل ہوتا ہے۔ کیا نبیوں کی یہ شان مقصدِ نبوت کو پورا کر سکتی ہے؟

بائبل اور مجازاۃ اعمال

۱۔ جتنے لوگ شریعت پر تکیہ کرتے ہیں وہ سب لعنت کے ماتحت ہیں۔ (گلتیون باب ۳ آیت ۱)

۲۔ خدا کسی کی عدالت نہیں کرتا۔ اس نے عدالت کا سارا کام اپنے بیٹے کے سپرد کیا۔ (یوحنا باب ۱۵ آیت ۲۱)

۳۔ مسیح جو ہمارے لیے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لیکر شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔

۴۔ وہ نہ صرف ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے بلکہ تمام دنیا کے گناہوں کا بھی۔

۵۔ پادریوں کو گناہ بخشوانے کا اختیار ہے۔ جن کے گناہ تم بخشواؤ، بخشے گئے۔ جن کے گناہ تم قائم رکھو۔ قائم رکھے گئے۔ (یوحنا باب ۱۲ آیت ۲۲)

کیا اس تصور مجازاۃ کے بعد نیکی کرنے اور گناہ سے بچنے کا جذبہ باقی رہ سکتا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب تحریفات ہیں۔

اناجیل میں کسی ایک انجیل کا بھی حافظ معلوم نہیں۔ لیکن اس کے برخلاف قرآن کریم اس کے عہد نبوت خاتم الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام سے لیکر اب تک لاکھوں حفاظ و قراء کے سینوں میں محفوظ چلا آ رہا ہے۔ خدا نے قرآن میں بھی اس کی حفاظت کا ذکر کیا ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون ترجمہ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) ہم نے قرآن اتارا ہے اور اس کی حفاظت ضرور کرتے رہیں گے۔ اسی طرح کئی آیات ہیں۔ قرآن کی حفاظت تحریری کا یہ حال ہے کہ عہد نبوت سے اب تک کتابی اور تحریری صورت میں بھی محفوظ چلا آ رہا ہے اور تمام نسخہ جات قرآن میں کوئی فرق نہیں بلکہ تعداد سورہ قرآن، تعداد آیات، تعداد کلمات، تعداد حروف اور تعداد ضمات و کسرات و فتحات اور سکونات سب محفوظ ہیں یہاں تک کہ ترتیب سورہ و آیات بھی الہی اور توقیفی ہے۔

مکی و مدنی و تعداد سورۃ و آیات و کلمات و حروف کے بیان میں

مکی و مدنی کے متعلق تین اصطلاحات ہیں۔

۱۔ جو سورتیں آغاز ہجرت کے زمانہ سے پیشتر نازل ہوئی ہیں وہ مکی ہیں اور جو بعد میں نازل ہوئیں وہ مدنی۔

۲۔ جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں وہ مکی ہیں۔ مکہ سے مراد مکہ اور اس کے مضافات دونوں ہیں جیسے منیٰ وعرفات وحدیبیہ ہیں اور جو مدینہ میں نازل ہوئیں۔ وہ مدنی ہیں۔ مدینہ سے بھی مدینہ اور اس کے مضافات مراد ہیں مثلاً بدر، احد وسلع۔

۳۔ جن آیات میں اہل مکہ کو خطاب ہے وہ مکی ہیں اور جن میں اہل مدینہ کو خطاب ہے وہ مدنی ہیں۔ مشہور پہلا قول ہے مکی اور مدنی کی معرفت اقوال صحابہ کرام و تابعین سے معلوم ہوتی ہے۔ جیسے کہ ابوبکر بن العربی نے ''انتصار'' میں لکھا ہے کہ مکی و مدنی کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا کوئی قول منقول نہیں مکی و مدنی کے معلوم کرنے کا یہ فائدہ ہے کہ نزول میں جو آیات متقدم ہیں اور جو متاخر ان کا علم ہو جاتا ہے جو نسخ و تخصیص کی معرفت میں کارآمد ہے۔ ابوالحسن بن الحصار سے منقول ہے کہ بیس بالاتفاق مدنی ہیں اور بارہ سورتیں مختلف فیہا ہیں باقی سب مکی ہیں لیکن ابی بن کعب کے نزدیک ۲۷ سورتیں مدنی ہیں باقی مکی ہیں۔ مزید تفصیل اتقان جلد ا صفحہ ۹۔۱۰ پر ملاحظہ کیا جائے۔

تعداد سور قرآن!

تعداد سور قرآن میں مشہور دو قول ہیں۔

۱۔ قرآن کی سورتیں ایک سو چودہ ہیں یعنی سورہ انفال و برأت الگ الگ سورتیں ہیں۔

۲۔ دوم قول یہ ہے کہ تعداد سور قرآن ایک سو تیرہ ہیں یعنی انفال و برأت ایک صورت شمار کی جاتی ہے۔

قرآن کو سورتوں میں تقسیم کرنے کی چند حکمتیں ہیں۔

۱۔ ہر سورت کو ایک مستقل معجزہ کی شکل میں پیش کرنا۔

۲۔ پڑھنے والوں اور حفظ کرنے والوں کے دل میں نشاط اور خوشی پیدا کرنا تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ ہم مستقل حصہ ختم کر چکے ہیں۔

۳۔ مضامین متناسبہ کو یکجا کرنا۔ (اتقان جلد ا صفحہ ۶۶)

فائدہ مہمہ چند ضوابط ہیں جن سے مکی و مدنی سورتوں کا علم ہوتا ہے۔

۱۔ جس سورۃ میں کلا آیا ہے وہ مکی ہیں۔ لفظ کلا ۳۳ جگہ ۱۵ سورتوں میں آیا ہے جو سب قرآن کے نصف اخیر میں ہیں۔ گویا نصف (خیر کا اکثر حصہ مکی ہے۔ چند مستثنیات مدنی ہیں۔

۲۔ جس سورہ میں سجدہ ہے وہ مکیہ ہے۔

۳۔ جس سورۃ کے اول میں حروف تہجی ہیں۔ بجز بقرہ آل عمران کے وہ سب مکی ہیں۔

۴۔ مفصل یعنی قرآن کا آخری ساتواں حصہ اکثر مکی ہے۔ (طلاق تحریم نصر مدنی ہیں)

۵۔ جس صورۃ میں حدود و فرائض ہیں وہ مدنی ہیں۔

۶۔ جن سورتوں میں جہاد کا بیان ہے وہ مدنی ہیں۔

۷۔ جن سورتوں میں منافقوں کا بیان ہے وہ مدنی ہیں۔ (مناہل العرفان جلد ا ص ۱۸۹۔۱۹۰)

جن سورتوں میں جہاد کا بیان ہے وہ مدنی ہیں

تعداد آیات قرآن! شمار حضرت عائشہؓ کے مطابق ۶۶۶۶ ہے۔

تعداد کلمات! حضرت مجاہد کے شمارے کے اعتبار سے ۶۲۳۵۰۷ ہے۔

تعداد حروف! حضرت ابن مسعودؓ کے شمار کے مطابق ۳۲۲۶۷۱ ہے۔

فتحات ۵۳۲۴۳ کسرات ۳۹۵۸۲ ضمات ۸۸۰۴

نقاط ۱۰۵۶۸۴ (تاریخ القرآن صارم ص ۹۹ بحوالہ فنون الافنان لابن الجوزی)

مختلف سورتوں کے مختلف نام

سبع طوال! سات بڑی سورتیں (۱) بقرہ، (۲) آل عمران، (۳) نساء

(۴) مائدہ، (۵) انعام، (۶) اعراف، (۷) انفال مع توبہ

مئین! وہ سورتیں جن میں سو یا کسی قدر زیادہ آیتیں ہوں۔ سورہ یونس سے سورہ فاطر تک۔

المثانی! وہ سورتیں جن میں سو سے کم آیتیں ہوں۔ سورہ یٰسین سے ق تک۔

مفصل! چھوٹی چھوٹی علیحدہ سورتوں کا نام ہے۔ سورہ ق سے آخر قرآن تک یہ ۲۶ پارہ کے ثلث کے بعد آخر قرآن تک ہے مفصل کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ طوال مفصل:۔ ق یا حجرات سے سورہ بروج تک

۲۔ اوساط مفصل:۔ سورہ بروج سے سورہ لم یکن تک

۳۔ قصار مفصل:۔ سورہ لم یکن سے والناس تک اور

اور بعضوں کے نزدیک طوال مفصل سورہ ق سے مرسلات تک، اوساط سورہ نباء سے والضحیٰ تک، قصار الم نشرح سے الناس تک

حفظی اور تحریری حفاظت کے علاوہ عملی حفاظت۔ کہ تمام مسلمانوں کا اس پر عمل بھی چلا آرہا ہے اور بدلا نہیں مسیحیت میں اصولی تبدیلی ہوئی۔ مثلاً قرآن میں اللہ وحدہ لاشریک اور بے مثال ہے۔ لیکن انجیل میں یا بائبل میں تثلیث، قرآن میں ثواب و عذاب کا مدار اعمال پر ہے۔ انجیل میں مسیحیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ کا مصلوب ہونا ہی نجات کے لیے کافی ہے۔ ختنہ اور غسل جنابت ضروری ہے۔ اناجیل میں پولس نے خارج کیا۔

قرآن کے تمام عالم کے نسخوں کا اگر مقابلہ کیا جائے تو ان میں کوئی فرق نہیں بلکہ کسی جلسہ میں اگر کوئی مقرر قرآن پڑھے اور زیر و زبر کا فرق اس کی زبان سے صادر ہو تو متعدد اشخاص بول اٹھتے ہیں کہ یوں نہیں یوں ہے۔

حقانی نے بحوالہ اہلس نقل کیا ہے کہ بائبل کے قدیم اور جدید نسخوں کا مقابلہ کیا گیا تو تیس ہزار اختلافات نکل آئے۔ ڈاکٹر گر گریباح نے اور زیادہ نسخوں کا مقابلہ کیا۔ یعنی ۳۵۵ نسخوں کا، تو ڈیڑھ لاکھ اختلافات نکل آئے۔ پادری فنڈر اختتام مناظرہ آگرہ (ہندوستان) میں اپنی کتاب مناظرہ مطبوعہ اکبر آباد میں لکھتے ہیں:۔

”کہ بلاشبہ بعض خرابیاں یعنی تحریفات جان بوجھ کر بعض لوگوں نے کیں جو دیندار مشہور تھے اور ہر حال میں تمام یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ صحیح کون ہے۔“

بڑی مصیبت یہ ہے کہ بالاتفاق اصل تورات اور انجیل عبرانی زبان میں تھے۔ لیکن عبرانی نسخہ ناپید ہے۔ جو عبرانی نسخہ موجود ہے وہ یونانی نسخہ کا ترجمہ ہے۔ بلکہ

کرۂ زمین میں عبرانی زبان بولنے والے ختم ہو گئے۔ صرف علم الالسنہ کے تحت اس کی تعلیم دی جاتی ہے۔ لیکن عربی زبان جو قرآن کی زبان ہے۔ زمانہ نزول کے وقت محدود دائرہ حجاز یمن اور نجد سے نکل کر عراق، مصر، شام، شمالی افریقہ میں عام ہو گئی۔ اور عالم اسلام میں عربی جاننے والے ہر شہر اور قصبہ میں موجود ہیں۔ قدرت الٰہی کے تصرف سے جس کتاب کو رہتی دنیا تک باقی رہنا مقدر تھا۔ اس کو پھیلایا اور باقی زبانوں کو عام استعمال کے دائرے سے ختم کر دیا۔

ترقی اور اسلام!

ان دو امور کے متعلق میں نے دو مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ (۱) ترقی اور اسلام، (۲) اسلام عالمگیر مذہب۔ یہاں میں صرف جوزف کرافٹ کا جواب لکھتا ہوں۔

اصلاح!

اصلاح بمعنی تبدیلی کے ناممکن ہونے میں خود جوزف کرافٹ کی اس تحریر میں اس کے قلم سے گبن کے پروفیسر ہنری کلیمنٹ مور کے حوالہ میں یہ تحریر موجود ہے کہ اسلام کی پیدائش ہی اصلاح یافتہ صورت میں ہوئی۔ بالکل درست ہے کہ جو کتاب یعنی قرآن ہر زمانہ اور قوم کے لیے ابد تک ہدایت نامہ ہو۔ اور علم الٰہی کے سرچشمہ سے اس کا ظہور ہوا ہو۔ اور چودہ سو سال تمام اقوام اسلامیہ پر اس کا مسلسل عمل چلا آ رہا ہو۔ یہ اس کتاب اور دین کے اصول کے متعلق انسانی اصلاح سے غیر محتاج ہونے کی واضح دلیل ہے اور ہر زمانہ کے تمام شعبہ ہائے زندگی کے لیے وہ فٹ ہے۔ مسیحی محققین کا بھی اس پر اتفاق ہے۔ انگلستان کے مشہور مسیحی مورخ گبن اپنی کتاب تاریخ سلطنت روما پانچویں جلد کے پچاسویں باب میں لکھتے ہیں۔ ''شریعت اسلام ایسے دانشمندانہ اصول اور اس قسم

کے عظیم الشان قانونی انداز پر مرتب ہوئی۔ کہ سارے جہاں میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی''۔

مسٹر کارلائل لکھتے ہیں!

''شریعت اسلام کے قوانین وضوابط کا لوہا آج بھی بایں ہمہ ترقی وحکمت دنیا ماننے پر مجبور ہے''۔

مسٹر ڈی رائٹ مشہور نامہ نگار انگلستان لکھتے ہیں!

''تاریخ انسانی میں ایسے شخص کا وجود نہیں جس نے احکام خداوندی کو مستحسن طریقہ سے انجام دیا ہو۔ جس طرح کہ پیغمبرؐ نے انجام دیا''۔

پروفیسر باسور سمتھ نے تو کمال کیا لکھتے ہیں!

''کہ عیسائی ایک دن بالاتفاق اس کی تصدیق کریں گے کہ بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم خدا کے رسول ہیں''۔

لارڈ برناڈ شاہ مشہور ادیب انگلستان کا اقرار ہے کہ دور حاضر کی اصلاح قطعاً ناممکن ہے۔ جب تک پیغمبر اسلام ﷺ جیسی شخصیت کو موجودہ دنیا کا ڈکٹیٹر بنایا جائے۔

ڈاکٹر مارلیس لکھتا ہے!

''قرآن نے فطرت کائنات کی دلیلوں سے خدا کو سب سے اعلیٰ ہستی ثابت کر کے انسان کو اس کی اطاعت پر جھکا دیا''۔

مسٹر جی ٹی لکھتے ہیں!

''قرآن نے بے شمار انسانوں پر اثر ڈالا۔ اور سائنس کی دنیا نے قرآن کی ضرورت کو اور واضح کر دیا''۔

مسٹر جانوئل ڈی انش لکھتے ہیں!

''قرآن کی روشنی اس وقت یورپ میں نمودار ہوئی۔ جب تاریکی محیط ہو رہی تھی اور اس سے یونان کے مردہ علم وعقل کو زندگی مل گئی''۔

مسٹر ایچ ایس لیڈر لکھتا ہے!

''تعلیم قرآن سے حکمت وفلسفے کا ظہور ہوا اور ایسی ترقی کہ اپنے وقت کی بڑی سے بڑی یورپین حکومت سے بڑھ گیا''۔

جوزف کرافٹ کا یہ لکھنا کہ اسلام کا نظام ڈھیلا تھا۔ کیا کسی ڈھیلے ڈھالے نظام کے متعلق مخالفین اسلام ایسی شہادتیں دے سکتے ہیں۔

اب میں تاریخی حیثیت سے پوچھتا ہوں کہ کیا تاریخ ادیان عالم میں ایسی کوئی مذہبی کتاب کا وجود ہے کہ وہ حرف بحرف کاغذات میں اور سینوں میں اس طرح محفوظ ہو اور اب تک اس کے اصول پر کوئی فلسفی معقول اعتراض کرنے پر قادر نہ ہو سکا ہو اور قلیل عرصے میں انڈونیشیا اور مراکش سے لیکر کاشغر تک کے بے شمار اقوام کے قلوب کو مسخر کیا ہو۔ اور ایسی روحانی اور اخلاقی تبدیلی پیدا کی ہے کہ بقول جارج زہدان تمدن عرب وہ انسانی صورت میں فرشتے بن کر چلتے تھے۔ دنیا دو عظیم الشان سلطنتوں میں جو مشرق و مغرب پر سینکڑوں سال سے حاوی تھے۔ کسریٰ اور قیصر کی حکومتیں تھیں۔ جو دولت تعداد اور سامان جنگ صنعت وحرفت اور علم طبعی وغیرہ میں فائق تھے۔ قرآن نے عرب کی ایسی

قوم جو جہانگیری اور جہاں بانی کی حقیقت اور تعلیم سے نا آشنا تھے۔ اس کو تھوڑے عرصے میں ایسی با اخلاق اور صاحب سیاست وحکمت قوم بنایا جس کی تاریخ انسانیت میں نظیر نہیں۔ اور کسریٰ اور قیصر کی عظیم سلطنتوں نے جب اس عرب قوم کا مقابلہ کیا تو اس نے ان کے تاج وتخت کو غبار بنا کر رکھ دیا۔ یہی حال ہندوستان کا بھی ہوا۔ پھر ان کے اخلاق، انصاف ومساوات خدا پرستی، غریب نوازی اور مظلوم کی اعانت کے واقعات ایسے ہیں جس کی نظیر پیش کرنے سے پوری انسانی تاریخ خالی ہے۔

ترقی!

ترقی کے لیے سامان جنگ (۱) صنعت، (۲) اتفاق اور (۳) روحانی قوت سامان جنگ اور صنعت کے متعلق کا یہ ارشاد قرآن:۔ واعدوا لهم ما استطعتم من قوة، تیار کرتے رہو سامان جنگ، جو تم کو تمام دشمنان اسلام پر قوی اور طاقت ور بنانے کے لیے کافی ہے۔ اگرچہ نزول قرآن کے زمانہ میں جنگ کے اسباب سادہ تھے۔ تیر تلوار اور نیزہ اور ڈھال زرہ وغیرہ۔

مواصلات گھوڑے اور اونٹ تھے لیکن خدائے قرآن کو اس زمانے کے مصنوعات کا بھی علم تھا۔ اس لیے ان ساری چیزوں کا نام نہ لیا صرف عالمگیر لفظ قوت کا استعمال کیا۔ یعنی قوت جس میں دور جدید کے توپ، ٹینک، میزائل، ایٹم بم، ہائیڈروجن بم، جوہری ہتھیار اور دیگر سامان جنگ جو آئندہ زمانے میں پیدا ہوگا۔ سب داخل ہیں۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ سب محدود ہیں۔ نماز سترہ رکعت فرض ہے۔ اگرچہ آدمی اس سے زیادہ پڑھنے کی طاقت رکھتا ہے۔ یہی حال روزہ کا ہے اگرچہ چھ ماہ روزہ رکھ سکے۔ جب بھی ایک ماہ کا روزہ فرض ہے۔ زکوٰۃ اڑھائی فیصد اگرچہ طاقت بیس فیصد کی ہو۔

زمنی پیداوار کا عشر بھی محدود ہے۔ بارانی زمینوں کی پیداوار کا دسواں حصہ اور دیگر زمینوں کی پیداوار کا بیسواں حصہ، حج ساری عمر میں ایک بار فرض ہے۔ لیکن آج ترقی کا مدار دیگر اسباب کے علاوہ سامان جنگ پر بھی ہے چنانچہ امر کا لفظ لایا جو آرڈر ہے اور فرضیت پر دال ہے۔ پھر عجیب یہ کہ سامان جنگ کو عبادات کی طرح محدود نہیں رکھا بلکہ **ما استطعتم** کا لفظ لایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ پورے عالم اسلام کی استطاعت جس قدر سامان جنگ کا ہو۔ اسی مقدار پر بنائے۔ توپ، ٹینک، ایٹم بم، وغیرہ کو اگر ایک لاکھ تک مالی استطاعت کے تحت بنا سکتے ہیں اور پھر اس سے ایک کم بنائے تو مسلمان مجرم اور گناہ گار ہوں گے۔ قوۃ میں زراعت بھی داخل ہے اگر ایک ایکڑ سے بیس من گندم ایک مسلمان اگا سکتا ہے تو پھر انیس من اگائے تو گناہ گار ہوگا۔ کیونکہ خوراک اور اس طرح پوشاک بھی سامان جنگ میں داخل ہے۔ اس طرح بوٹ بنانے کے کارخانے کپڑا بنانے کے کارخانے بھی سامان میں داخل ہیں۔

مواصلات کے سلسلہ میں یہ ایک آیت کافی ہے۔

والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا و زینۃ ویخلق مالا تعلمون ۔ آمدورفت کا سارا سامان دور نزول قرآن میں گھوڑے، خچر، گدھے، اونٹ وغیرہ تھے لیکن خدائے قرآن کو مستقبل کے زمانے کا بھی علم تھا کہ موٹر لاری، بحری اور ہوائی جہاز بنیں گے اور سیارے وغیرہ بھی تو فرمایا۔

ویخلق مالا تعلمون ۔ یعنی ان چیزوں کو بھی بنائے گا جن کا تم کو علم نہیں (یعنی جدید مواصلات)

ترقی اتحاد۔ قرآن نے اتحاد پر متعدد آیات میں زور دیا۔

واعتصموا بحبل للہ جمیعاً ولا تفرقوا واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً۔

سورہ حجرات میں ہے۔

انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم۔

حدیث میں ہے۔

المسلمون کرجل واحدان اشتکیٰ عینہ، اشتکیٰ کلہ، ان اشتکیٰ راسہ انما اشتکیٰ کلہ۔

اوّل آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ دین اسلام کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو سب کے سب اور جدا نہ ہو اور اللہ کا یہ احسان یاد کرو کہ تم قبل از اسلام ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اسلام کی نعمت سے تم ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔ دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ تمام مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں تو مصالحت کرتے رہو ان کے درمیان۔

حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ تمام عالم اسلام کو ایک شخص کی طرح سمجھو کہ اگر اس کی آنکھ دکھ جائے تو پورے بدن کو دکھ ہو۔ اسی طرح اگر سر کو دکھ ہو تو پورا بدن دکھتا ہے۔ اسی طرح تمام عالم اسلام کے دکھ اور سکھ کو ایک سمجھو۔ وحدت صفت خداوندی ہے۔ جو قوم وحدت الحق کا مظہر بن جاتی ہے۔ تو وہ قوم دیگر اقوام کے مقابلہ میں غالب ہو جاتی ہے۔

خاتمہ کلام!

اسلام اور قرآن میں مادی اور روحانی ترقی کے تمام اسباب موجود ہیں۔ مادی اسباب کے بنیادی اصول حسب ذیل ہیں۔

١۔ تمام عالم اسلام کا فرض ہے کہ مادی قوت اپنی طاقت کی آخری سرحد تک اس

قدر مکمل کردے کہ دشمنانِ اسلام اس طاقت کو دیکھ کر مرعوب ہو جائیں اور مقابلہ کی جرات نہ کرسکیں۔ ترھبون به عدو الله و عدو کم۔ جنگ میں آلات جنگ کی بھی ضرورت ہے۔ ٹینک، میزائل، توپ ہوائی اور بحری بیڑے کے بعد ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم یا آئندہ زمانہ کے جراثیمی اور شعاعی بم قرآن نے ایسا لفظ لایا جو جنگ کے تمام اسلحہ جدیدہ زمانہ حال کے ہو یا مستقبل کے شامل ہے۔

جنگ اور فتح کے لیے خوراک پوشاک اور تیل وغیرہ کی بھی ضرورت ہے۔ تو صنعتیں، کارخانے، ترقیٔ زراعت اور پٹرول کی صنعت کی بھی ضرورت ہے اور لوہے سے متعلق آلات کے لیے اس کو پگھلانے اور مصنوعات بنانے کی بھی ضرورت ہے۔ قرآن میں ہے۔

والزلنا الحديد فيه باس شديد و منافع للناس۔

ترجمہ۔ ہم نے اتارا لوہے کو کہ اس میں خطرناک مہلک سامان کی صلاحیت ہے اور لوگوں کے لیے منافع۔ مثلاً ریل کی پٹریاں، زرعی ترقی کے لیے ٹریکٹر اور بلڈوزر وغیرہ اور اس طرح تخم اور کھاد کے کارخانے بھی اس میں داخل ہیں اور آبپاشی کے لیے نہریں اور ٹیوب ویل وغیرہ بھی اور جنگی طاقت وقوت کے لیے، میڈیکل سائنس یعنی ڈاکٹروں، سرجنوں اور دواؤں کی ضرورت ہے۔ یہ سارے قوت کے مفہوم میں داخل ہیں۔

۲۔ سبب ترقی اتحاد و اتفاق جو اعتصموا بحبل الله کا مفہوم ہے یعنی اسلام کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو تا کہ اس کے ذریعہ تم مضبوط رہو۔

یہ جسمانی اور مادی قوت ہے لیکن ان اسباب کو استعمال [illegible] در حقیقت روح انسانی سے وابستہ ہے کہ پاکیزہ مقصد یعنی انصاف اور مساوات [illegible] کے لیے استعمال کرنے نہ کہ ظلم اور قومی برتری کے لیے ورنہ یہ ترقی نہیں۔ بلکہ عالمی تباہی ہے۔

بد گہر را علم و فن آموختن دادن تیغ است بدست راہزن
(رومی)

حفاظت دین و دنیا کے لیے بوقت ضرورت جنگ فطرت انسانی میں داخل ہے اور ایک گال پر تھپڑ مارنے والے کے آگے دوسرے گال کو پیش کرنا ترقی نہیں بلکہ خودکشی ہے جو انجیل کی تعلیم ہے۔

اسلام کا پہلا دور ترقی اور عروج کا تھا۔ قرآن اور اسلام پر عمل تھا۔ اس دور میں حکیم عباس نے ہوائی جہاز بنایا۔ عرب سائنسدانوں نے گھڑی اور قطب نما بنایا۔ روس کے اقرار کے پیش نظر جو ماسکو ریڈیو نے نشر کیا انہوں نے اندلس کے سائنسدان جو مسلمان تھے کی کتابوں کو ماسکو پہنچایا اور تجربات کیے جس کی مدد سے انہوں نے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم بنادیا۔ اسی اندلس سے یورپ نے سائنس سیکھا اور مسلمانوں نے سائنس کا اپنا ورثہ چھوڑا۔

عیسائیوں کا عروج اسلامی تعلیم اور ترک مسیحیت سے ہوا لیکن مسلمانوں کا زوال اسلام پر عمل نہ کرنے سے ہوا۔ اولاً مسلمانوں کے دور عروج اور حالاً دور زوال کا مقابلہ کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ کہتا ہے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

مولانا سید شمس الحق افغانی

رکن اسلامی نظریاتی کونسل

پاکستان۔ترنگزئی۔چارسدہ۔پشاور

خطبہ نمبر۱۴

مشینی ذبیحہ

اب اس دور کے نئے نئے فتنے رونما ہو رہے ہیں۔ان تمام فتنوں کا مقصد یہ ہے کہ انگریز کی ڈیڑھ سو سال غلامی کے بعد بھی دین کی جو چھوٹی موٹی نشانیاں بچی ہیں وہ مٹ جائیں۔ایسے لوگوں میں ایک صاحب ڈاکٹر فضل الرحمٰن ہیں۔ جو دین کو مٹانے میں سرگرم عمل ہے۔اس نے مشینی ذبیحہ کے بارہ میں ایک کتابچہ بھیجا ہے۔ اسے تو جو کچھ لکھوں گا۔اب آپ سے کچھ عرض کرتا ہوں۔

مشینی ذبیحہ۔ یہ عجیب بات ہے کہ مجھے تو ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کا قلب اب ایمان کو نہیں مانتا۔اب اگر وہ کوئی بات کریں اور ہم ان کے رد میں کوئی حدیث پیش کریں تو کہتے ہیں کہ قرآن کی آیت لاؤ۔یہی بات بتلاتی ہے کہ ان کے قلب اب ایمان نہیں چاہتے۔یہ صرف بہانہ کرتے ہیں۔ہر بات پر کہتے ہیں کہ قرآن میں دکھاؤ! کیا قرآن نے ہر بات کا کوئی ٹھیکہ تو نہیں لے رکھا؟

ہم کچھ قرآن اور کچھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پوچھیں گے۔ اگر پیغمبر پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے نعوذ باللہ پوچھنے کی ضرورت نہیں تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتے کہ لوگو! قرآن فلاں پہاڑ پر اترے گا وہاں سے لے لو۔ جب تمہارے قول کے مطابق پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پوچھنا ہی نہیں تو پھر ان کی تشریف آوری کا مقصد ہی فوت ہوتا ہے۔اگر اتنے مسائل قرآن میں ذکر ہوتے تو پھر قرآن کو یاد کون

کرتا؟ آج رمضان کی راتوں میں جو قرآن کی تلاوت ہو رہی ہے وہ پھر ہوتی؟ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوتا تھا کہ قرآن اتنا ثقیل نہ ہو جائے کہ حفظ نہ ہو سکے۔ تو قرآن میں مسائل کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا اور باقی مسائل صاحب قرآن بیان کردیں گے۔ پھر اگر انہیں قرآن میں مسئلہ دکھا دیا جائے تو کہتے ہیں کہ یہ تو مولوی کی باتیں ہیں۔ تو میاں صحیح کیوں نہیں کہتے کہ اسلام کو جی نہیں چاہتا۔ اگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیغمبری کی ہمیں نعمت نصیب نہ ہوتی تو ہمیں صحیح طریقے پر کھانا پینا بھی نصیب نہ ہوتا۔ جس طرح دوسری اقوام میں حلال وحرام کی تمیز نہیں۔ سب سے پہلے اسلام نے آ کر حلال وحرام جانوروں کی تمیز کی ہے کہ کن کن جانوروں کا گوشت حلال اور کن کن کا گوشت حرام ہے۔ ورنہ ہم دیکھتے ہیں کہ جاپان اور چین اگر مل جائیں تو یہ دونوں ملک تقریبا تقریبا پوری دنیا کی نصف آبادی سے کچھ کم ہیں۔ ان میں تین مذاہب کے لوگ آباد ہیں۔ (۱) کنفیو مت ۔ یہ مذہب قبل از حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہے۔ اس کے زیادہ تر پیروکار چین میں آباد ہیں۔ (۲) شنٹومت۔ (۳) بدھ ازم۔ اس بدھ ازم میں صرف چوہے کو نہیں کھاتے باقی سب جانور کھاتے ہیں۔ تو اس لحاظ سے کم و بیش دنیا کی نصف آبادی حرام حلال کی تمیز نہیں رکھتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان ساز میں ہوں میں ان کے خورد ونوش کے متعلق جانتا ہوں۔

تو کل آٹھ جوڑے نر و مادہ ذکر کیے۔ اونٹ۔ گائے۔ بھینس۔ بکری۔ بھیڑ۔ انہیں بھیمۃ الانعام کہتے ہیں۔ فرمایا کہ تمہارے لیے یہ مویشی حلال ہیں۔ پھر ان کا طریقہ استعمال بھی فرمایا۔ کہ طریقہ بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پوچھو۔

یورپ تو اس عذاب میں مبتلا ہے کہ وہاں زنا کی عام آزادی کی وجہ سے تو حلال نطفے کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ اور شراب نوشی اور خنزیر خوری کی وجہ سے ان کا کھانا پینا بھی حلال مشکل ہے۔

اب مسلمانوں کے چند حلال جانور ہیں تو ان کو بھی یہ یورپ والے مشین کے ذریعے ذبح کر کے حرام کھاتے ہیں۔ صرف مسلمان باقی ہیں جو مشینی ذبیحہ نہیں کرتے۔ اگر ہمیں اپنے ملک میں بھی حلال چیز نہ ملے تو پھر کیا باقی رہا۔ اگر یہ لوگ کہیں کہ ترقی نہیں ہوتی تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اب تک اتنا زمانہ ہو گزرا کیا قصاب سے کوئی تنگی ہوتی ہے۔ تو یہ نکتہ ہمیں سمجھ نہیں آتا کہ ایک چیز میں کوئی تنگی بھی نہیں ہے تو پھر خواہ مخواہ یورپ کی تقلید کیوں کرتے ہیں؟ بس ایک بار آدمی اسلامی طریقے پر چھری سے ذبح کرلے پھر چاہے مشین میں ڈالتے رہو۔ اب اس بات پر لغویات کتابیں لکھنا کتنی غلط بات ہے۔ کیا ان کو پتہ نہیں کہ ابھی تک مسلمان زندہ ہیں اور اسلام باقی ہے تمہیں ایسی غلط حرکات نہیں کرنے دیں گے۔

آج کہتے ہیں کہ زمانے کے مطابق ہو جاؤ! میں کہتا ہوں کہ زمانہ کیا ہے؟ زمانہ تمہیں کہے کہ گندگی کھاؤ تو کھاؤ گے؟ ابھی چند علماء باقی ہیں وہ تمہیں ایسی جرأت نہیں کرنے دیں گے۔ یورپ سوڈیڑھ سو سال ہندوستان پر حاکم رہا اسے بھی یہ جرأت نہ ہوئی۔ مگر آج خود مسلمان اس غلط کام کی جرأت کر رہے ہیں۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ آوازۂ تجدید
مشرق میں ہے تقلید فرنگی کا بہانہ

تو اس ضمن میں دو بنیادی باتیں ہیں۔ دو بنیادی مسئلے ہیں۔

(۱) جانور کو جان اللہ نے دی۔

(۲) جان لینا بھی جان دینے والے کا کام ہے۔

ہماری اپنی جان بھی اپنی نہیں۔ کیونکہ خودکشی کرنے والا جرم دار ہے۔ کیونکہ جس جان کو اس نے ضائع کیا یہ اس کی اپنی نہیں تھی۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے کسی نے سوال کیا کہ خودکشی میں بھی انسان اپنی جان قتل کرتا ہے اور جہاد میں بھی۔ مگر خودکشی میں عذاب اور جہاد میں اجر کثیر ملتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

ان بزرگ علماء کرام کو خدا تعالیٰ نے ایک خاص نور بصیرت عطا کر رکھا ہے۔

تو حضرت نانوتویؒ نے فرمایا کہ جس طرح کوئی حکومت کسی شخص کو کوئی مشین کسی خاص کام کے لیے دے۔ اب اگر وہ شخص اس مشین کو توڑ پھوڑ دے تو کیا وہ شخص مجرم ہوگا کہ نہ ہوگا؟ اس نے جواب دیا کہ مجرم ہوگا۔ اگر وہ مشین اپنے مطلوبہ کام میں عمل کرتے ہوئے خراب ہو جائے یا ٹوٹ جائے تو پھر وہ شخص مجرم نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ہماری جان کی مشین ہمیں عبادت کے لیے دی تو اگر ہم زہر کھا کر یا بھوک ہڑتال کر کے اسے ختم کر دیں تو ہم مجرم ہیں۔ جس طرح سرکاری مشین اپنا کام کرتے کرتے خراب ہو جائے تو کوئی جرم نہیں اسی طرح خدا کی دی ہوئی جان کی مشین اگر جہاد میں کام آ جائے تو وہ اپنے مقصد میں کام آئی۔ اس لیے جہاد میں جان دیدینا نیکی اور خودکشی کر کے جان دیدینا بدی اور جرم ہے۔

تو جانور کے معاملے میں بھی یہ ہے کہ جان کو لینا یہ جان دینے والے کا کام ہے۔ تو جان دینے والے کی طرف سے ایک ضابطہ ہوتا ہے۔ تو بعض اوقات حاکم اعلیٰ ایک کام خود کرتا ہے اور کبھی کسی دوسرے سے کرواتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں کام حاکم اعلیٰ کے سمجھے جائیں گے۔

تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جب تم جانور ذبح کرنے لگو تو بسم اللہ اکبر کہدو! کہ میں اللہ کے نام پر ذبح کر رہا ہوں۔ اور ایسے آلہ سے ذبح کرو کہ تمام خون باہر نکل آئے۔ تاکہ جس طرح بسم اللہ اکبر کہنے سے باطنی پاکی ہوگئی اور خون نکل آنے سے ظاہری پاکی ہو جائے۔ اس صورت میں ذبح کیا ہوا جو مسلمان کھائے گا وہ بالکل پاک وصاف اور حلال غذا کھائے گا۔ بھول کر کھانا۔ تو بھول الگ معاملہ رکھتی ہے۔ وہ تو اگر بھول کر کھالے تو روزہ بھی نہیں ٹوٹتا۔

تو ہم یہ معاملہ پہلے قرآن پاک سے طے کرتے ہیں۔ گو مشینی ذبیحہ کا فتنہ قرآن پاک کے نزول سے ۱۴ سو سال بعد پیدا ہو رہا ہے مگر قرآن پاک کی نظر میں پہلے سے موجود تھا۔ یہ خاص جزی مسئلہ فقہ پر موقوف تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ فتنہ پیدا ہوگا اس لیے اسے قرآن نے ذکر کیا۔

ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ: مت کھاؤ وہ جانور جو اللہ تعالیٰ کا نام لیکر ذبح نہ کیا گیا ہو۔ وانہ لفسق: اگر کوئی اس آرڈر کے خلاف ہو تو وہ شیطان اپنے دوستوں کے قلب میں ڈالتے ہیں۔ لیجادلوکم: تاکہ وہ تمہارے ساتھ بات چھیڑے ولئن اطعتموھم: اگر تم نے ان کی بات مانی تو انکم

لمشر کون: توتم مشرک بن گئے۔

آگے سورۃ حج میں ذکر ہے۔ فاذکروا اسم اللہ علیھا صواف: فرمایا
کہ سو پڑھو ان پر نام اللہ تعالیٰ کا قطار باندھ کر۔ یعنی اگر بہت اونٹ ہوں تو انہیں قطار
میں قبلہ رخ کھڑا کریں۔

ولکل امۃ جعلنا منسکا لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقھم من
بھیمۃ الانعام: اور ہر امت کے واسطے ہم نے مقرر کردی ہے قربانی کہ یاد کریں اللہ
کے نام چوپایوں پر ذبح کرنے کے وقت جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دیے ہیں۔

وانعام لا یذکرون اسم اللہ علیھا افتراء علیہ سیجزیھم بما
کانو ایفترون: اور بعض جانوروں کے ذبح کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے
اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ کر عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں اس جھوٹ کی سزا دے گا۔

حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ
والمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردیۃ والنطیحتہ وما اکل السبع الا
ماذکیتم وماذبح علی النصب وان تستقسموا باالازلام: حرام ہوا تم پر مردہ
جانور اور خون اور گوشت خنزیر کا اور جس جانور پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام پکارا
جائے۔ اور جو گلا گھونٹنے یا چوٹ سے مر گیا ہو یا اونچے سے گر کر یا سینگ مارنے سے
اور جس کو درندہ نے کھایا ہو مگر جس کو تم نے ذبح کرلیا اور حرام ہے جو ذبح ہوا کسی تھان
پر اور یہ کہ تقسیم کرو جوئے کے تیروں سے۔ اگر زندہ پا کر حلال کرلو تو حلال ہے یعنی وہ
جانور جس کو کسی دوسرے جانور نے زخمی کردیا ہو اور وہ تمہیں زندہ مل جائے تو تم اسے

حلال کرلو ایسا جانور ہے۔

دیکھو جانور دو قسم کے ہیں

(۱) اہلی جانور یعنی گھریلو جانور۔

(۲) جنگلی جانور یعنی جنگل کے حیوانات مثلاً ہرن اور نیل گائے وغیرہ۔

اسلام میں گھریلو اور جنگل کے جانوروں کے معاملات جدا جدا ہیں۔

تو پہلے زمانوں میں تیر اور شکاری کتوں کے ذریعے شکار کھیلا جاتا تھا۔ تو ایسی
صورت میں یہ حکم ہے کہ تیر چھوڑتے وقت اور کتا چھوڑتے وقت بسم اللہ اکبر پڑھی
جائے۔ تو اب اگر تیر لگنے سے اور کتے کی وجہ سے وہ شکار مرجائے تو وہ تمہارے لیے
حلال ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ جنگل میں شکاری جانور انسان
کے ہاتھ مشکل آئے گا تو آسانی پیدا کردی کہ تیر اور کتا بسم اللہ اکبر پڑھ کر چھوڑ دو۔
البتہ جس جگہ سے کتے نے شکار کو پکڑا ہو وہ جگہ پانی سے دھولینی چاہیے اگر کتے نے
شکار میں سے کچھ کھایا ہو تو وہ پھر مردار ہے۔ حلال نہیں۔ تو آموختہ اور سدھائے
ہوئے کتے کو استعمال کیا جائے جو مالک کے لیے شکار کرتا ہے نہ کہ اپنے لیے۔ اگر ان
دونوں صورتوں میں تمہیں شکار کیا ہوا جانور زندہ مل جاتا ہے تو پھر اسے ذبح کرنا
ضروری ہے ورنہ حرام ہے۔

بندوق کا مارا ہوا اگر زندہ ملے تو ذبح کر کے کھاؤ ورنہ حرام ہے کیونکہ یہ دباؤ۔
دھکے اور چھرے کی وجہ سے مرا ہے۔ اس صورت میں اسباب جداگانہ ہیں اس لیے
بندوق سے اگر شکار مرجائے تو وہ حرام ہے چاہے بندوق چلاتے وقت بسم اللہ اکبر بھی

کیوں نہ پڑھی گئی ہو؟

حضرت عدیؓ ابن حاتم سے روایت ہے۔ یہ حاتم طائی کے لڑکے ہیں۔ حاتم طائی زندہ تھے مگر آقا نامدار صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زیارت نصیب نہ ہوئی تھی۔ باقی ان کا سارا کنبہ مسلمان ہوگیا تھا۔ تو روایت فرماتے ہیں۔

اذا ارسلت کلبک فاذکر اسم اللّٰہ فان امسک علیک فادرکتہ حیاً فاذبحہ وان ادرکتہ قدقتل ولم یاکل منہ فکلہُ وان اکل فلا تاکل فانما امسک علی نفسہ فان وجدت مع کلبک کلباً غیرہ وقد قُتل فلا تاکل فانک لاتدری ایھما قتل واذارمیت بسھمک فاذکر اسم اللّٰہ فان غاب عنک یوماً فلم تجدفیہ الا اثر سھمک فکل ان شئت وان وجدتہ غریقاً فی المأ فلا تاکل متفق علیہ: (ترجمہ) جب تو اپنے (شکاری) کتے کو چھوڑے تو اللہ کا نام لیکر چھوڑ۔ اگر وہ شکار کو تیری خاطر روک لے اور تو اسے زندہ پالے تو اسے ذبح کرلے اور اگر تو اس حالت میں پائے کہ کتے نے اسے ماردیا ہو اور خود اس میں سے نہ کھایا ہو تو تُو اسے کھالے اور اگر اس نے کھالیا ہو تو تُو اسے نہ کھا کیونکہ کتے نے اسے اپنے لیے پکڑا ہے۔ اور اگر تو اپنے کتے کے ساتھ کسی دوسرے کتے کو شریک پائے اور وہ شکار ہلاک ہوچکا ہو تو اسے نہ کھا کیونکہ تجھے معلوم نہیں ہے کہ کس نے مارا۔ جب تیر چلائے تو اللہ کا نام لیکر چلا۔ پھر اگر ایک دن تک وہ شکار تجھ سے غائب رہے اور اس میں تیرے تیر کے سوا کوئی اور نشان نظر نہ آئے۔ تو اسے کھالے۔ اگر پانی میں ڈوبا ہو تو اسے نہ کھا۔ یسئلونک ماذا احلّ

لھم قل احلّ لکم الطیبات: آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) سے پوچھیں گے کہ ان کے لیے کیا کیا حلال ٹھہرایا گیا ہے۔ تو کہدیں کہ تمام پاکیزہ اور ستھری چیزیں تمہارے لیے حلال ہیں۔ باقی فلسفہ یہ ہے کہ بعض جانور حلال کیوں ہیں اور بعض جانور حرام کیوں ہیں؟

دیکھو! سورۃ انعام میں جن آٹھ جانوروں کو حلال کیا گیا ہے ان کے استعمال شرعی سے نہ بدنی اور نہ روحانی مرض ہوتا ہے۔ اور جو حرام جانور ہیں ان کے استعمال سے روحانی اور جسمانی دونوں نقصان ہوتے ہیں۔ سرطان کا مرض خنزیر کھانے سے ہوتا ہے۔ مشرق میں سرطان یورپ کی آب وہوا سے پھیلا علماء نے لکھا ہے کہ خنزیر میں ضد کا مادہ بہت ہے۔ تو آپ نے دیکھ لیا ہے کہ امریکہ خنزیر کھانے والا کتنا ضدی ہے۔ کیونکہ منہ کی کھانے کے باوجود بھی کہتا ہے کہ میں ویت نام پر بمباری کرتا رہوں گا۔ ضد بری چیز ہے۔ حمیۃ الجاھلیۃ: خنزیر کا خاصہ ہے کہ دو۔ دونے۔ پانچ پر اڑے رہو۔ دوسرا خنزیر بڑا بے غیرت اور دیوث جانور ہے اس کا گوشت کھانے والی قومیں بھی بے غیرت اور دیوث ہیں۔

ایک شخص نے حضرت امام اعظمؒ سے پوچھا کہ میں نے اپنی بیوی سے کہا ہے کہ اگر میں کل اولاد آدم کے بیوقوف سے بات نہ کروں تو تجھے طلاق ہے۔ تو حضرت امام اعظمؒ نے فرمایا کہ نصرانی اور رافضی سے بات کرو۔ فلیکلم النصرانی والرافضی: کیونکہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کہا ہے اور اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی حماقت نہیں ہوسکتی۔

دیکھو! عقل اور فن اور ہنر مندی جدا جدا چیزیں ہیں۔ عیسائی فن جانتے ہیں
ان میں عقل نہیں۔ (افلا تعقلون: میں اس پر بیان ہوگا) تو اس شخص نے کہا کہ اگر
نصرانی اور رافضی سے بات کروں تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس پر
حضرت امام اعظمؒ صاحب نے فرمایا کہ لانہ کذبوا الصادقین: اس لیے کہ انہوں
نے دو سچوں کو جھوٹا کہا۔ کہ حضرت عیسیٰؑ بندہ کو خدا بنایا اور حضرت علیؓ کو بھی رافضیوں نے
(نعوذ باللہ) جھوٹا کہا۔ وہ یوں کہ حضرت علیؓ چار سال کوفہ میں رہے تو آپؓ ہر تقریر کے
شروع کرنے سے پہلے پڑھتے تھے۔ افضل الناس بعد الانبیا بالتحقیق
ابوبکرن الصدیقؓ: اور آنسوؤں سے داڑھی مبارک تر ہو جاتی تھی۔ مگر رافضی کہتے
ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ افضل نہیں ہیں۔

خطبہ نمبر ۱۵

ثقافت کی وضاحت

آج کل ایک لفظ عام بولا جاتا ہے۔ ثقافت۔ ہر ملک کے وفد ایک دوسرے
ممالک میں جاتے ہیں۔ جو ثقافتی وفو کا دتبادلہ کرتے ہیں اور ثقافتی معاہدات بھی
ہوتے ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ دور حاضر کے حکومتوں کے لیے یہ ایک بہت بڑا
اہم مسئلہ ہے کہ ایک دوسرے ملکوں کے ساتھ ثقافتی تبادلہ ہو۔ اور لیڈروں اور حکمرانوں
کی زبان پر یہ ورد ہے کہ مسلمانوں کی ثقافت کی حفاظت ہونی چاہیے۔

میں یہ بتلاتا ہوں کہ اسلامی ثقافت یہ دو لفظ ہیں۔ ایک (اسلامی) اور دوم
(ثقافت) ثقافت کا لفظ جس قدر زبان سے بولا اور جس قدر کثرت سے لکھا جاتا ہے
اس قدر لوگ اس سے بے بجھ ہیں۔

فاما تثقفنهم فی الحرب فشرد بهم من خلفهم لعلهم
یذکرون:

اور اگر تم انہیں (بدعہد لوگوں کو) جنگ میں دیکھ لو تو انہیں ایسی سزا دو کہ پیچھے
والے بھاگ جائیں تاکہ آئندہ کے لیے انہیں سبق آجائے۔

ثقافت کیا چیز ہے؟ قرآنی لغت کے بڑے استاد حضرت امام راغبؒ نے
مفردات القرآن لکھی ہے اس کے برابر لغت کی دوسری کوئی کتاب نہیں۔ دور حاضر

میں تو جشن رومی وغیرہ کو ثقافت کہتے ہیں مگر حضرت امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ الحذق فی الامور و فعله : کسی معاملے کو درست سمجھنا اور اسی کے مطابق عمل کرنا، یہ ہے ثقافت کا معنی۔

ثقافت تو ہر چیز کی ہو سکتی ہے مگر یہاں نسبت ہے اسلامی۔ یعنی اسلامی ثقافت۔ جب اسلامی لفظ ساتھ لگ جاتا ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ (اسلامی امور کو درست سمجھنا اور ان کے مطابق عمل کرنا)۔

قرآن کی ایک اور اصطلاح ہے۔ جس کا اصل اللہ تعالیٰ ہیں۔ تو قرآن کہتا ہے کہ اسلام کے سوا کسی انسان، کسی قوم، یا کسی ملک سے کوئی نظر آ جائے تو قرآن کی اصطلاح میں اسے جاہلیت کہتے ہیں۔ ایسی ثقافت کو۔ (ثقافتِ جاہلیت) کہتے ہیں۔ افحکم الجاهلیة یبغون ومن احسن من الله حکماً لقوم یوقنون: اب کیا حکم چاہتے ہیں کفر کے وقت کا اور اللہ سے بہتر کون ہے حکم کرنے والا یقین کرنے والوں کے لیے۔

کیا اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کافی نہیں۔ اب تم کشکول گداگری دوسرے کے سامنے پھیلا کر اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو توڑتے ہو؟ یہ تو ثقافت کا مفہوم تھا۔ اب یہ بتلاتا ہوں کہ ثقافت کے مختلف شعبے ہیں۔

(جاہلیت کی ثقافت؟ یعنی کفار کی ثقافت)۔ (۱) عورت کا ناچ گانا۔ (۲) شراب خوری۔ (۳) مال کو بے جا صرف کرنا۔ (۴) اللہ تعالیٰ اور آخرت کو بھولنا۔ (۵) فوٹو کھینچوانے کا عاشق بننا۔ یہ پانچ اجزاء ثقافت جاہلانہ اور کافرانہ ہیں۔

اس کے علاوہ اسلامی ثقافت ہے جو اللہ رب العالمین کی ثقافت ہے۔ جس طرح آگ اور پانی ایک نہیں ہو سکتے اسی طرح کافرانہ اور اسلامی ثقافتیں ایک نہیں ہو سکتیں۔ بدبخت یہ نہیں سمجھتے کہ اسلام کا آغاز جہاں سے ہوا ہے ثقافت اسلامی بھی وہیں سے آئی ہے۔ یعنی جہاں سے اسلام آیا ہے ثقافت اسلامی بھی وہیں سے آئی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ قندھاری انار ہے۔ تو یقینی بات ہے کہ وہ انار دراصل قندھار سے چلا ہوگا۔ کیا کسی تاریخ میں درج ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے میں اور خلفاء راشدین کے زمانے میں کلب گھر ہوں۔ عورتیں ناچتی ہوں۔ شراب نوشی ہو۔ فوٹو ہوں؟ اس وقت کیمرے نہیں تھے تو ہاتھ سے تو تصویریں انسان بنا سکتا تھا۔ مگر ایک تصویر بھی نہیں تھی۔ تو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اس جاہلیت کی ثقافت سے پاک تھے۔

تو معلوم ہو گیا کہ جو لوگ کافرانہ ثقافت کو اسلامی ثقافت سمجھتے ہیں وہ آگ اور پانی کو ایک کرنا چاہتے ہیں۔ تو اسلامی ثقافت کے کئی عنوانات ہیں۔ کئی شاخیں ہیں۔

عند المصائب اسلامی ثقافت کیا کہتی ہے؟ غم و مصیبت کے وقت قلب میں غم اور اور آنکھوں میں آنسوؤں کی اجازت ہے۔ باقی اس کے علاوہ سر پیٹنا، کپڑے پھاڑنا وغیرہ یا اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرنا۔ رخسار پیٹنا وغیرہ یہ غلط اور کافرانہ عمل ہے۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔

عند المسرات اسلامی ثقافت کیا ہے؟

مطلب یہ کہ اگر خوشی نصیب ہو تو کیا کرنا چاہیے؟ خوشی بڑی نعمت ہے۔ نعمت کے بدلے شکر ادا کرنا چاہیے۔ ولئن شکرتم لازیدنکم و ان کفرتم فان عذابی لشدید: فرمایا کہ اگر شکر کرو تو میں تمہیں بہت دونگا اور اگر کفران نعمت کیا تو پھر میرا عذاب بہت سخت ہے۔

شکر کا معنی ہے صرف القوۃ فی الاطاعۃ: یعنی اپنی طاقت کو اللہ تعالیٰ کی تابعداری میں خرچ کرنا۔ مطلب یہ کہ زبان، کان وغیرہ ہر عضو کی طاقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف ہو۔

بچہ پیدا ہو۔ نکاح ہو تو ان میں ہماری اپنی ایک ثقافت ہے ہم اپنی ثقافت کے پابند ہیں۔ اسی طرح ہر کام میں اسلام اپنی ثقافت پیش کرتا ہے۔ ولیمہ، حق المہر یہ سب اسلامی ثقافت کے تحت سادگی سے ادا کرنے چاہئیں۔ جو چیز دین سے ٹکرائے وہ اسلامی ثقافت نہیں۔

ثقافت کا معنی و مفہوم اور نام ہماری عام بول چال میں تہذیب کے نام سے استعمال ہوتا ہے تو یوں ہوگا اسلامی ثقافت یا اسلامی تہذیب اس کے مقابل انگریزی ثقافت یا انگریزی تہذیب۔

ایک بنیادی چیز طے کرنی ہے۔ اسلام اس بات پر زور دیتا ہے کہ اسلام اور مسلمان اپنے وجود اور ہستی ہیں۔ نامسلمانی یعنی (کفر) سے ممتاز اور جدا ہیں۔ یعنی اسلام امتیاز پر زور دیتا ہے کہ اسلام کا وجود غیر اسلام سے خلط ملط نہ ہو۔ یا بالفاظ دیگر

نہ اسلامی تہذیب غیر اسلامی تہذیب میں مدغم و ضم ہو کر فنا نہ ہو۔

اسلامی ثقافت یا تہذیب کا تحفظ خدا تعالیٰ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو مطلوب ہے۔ اس کی عقلی و نقلی وجوہات بھی ہیں۔

ہمارے مشرقی پاکستان کے گورنر عبدالمنعم خان نے بہت زور دیا ہے کہ ہمارے معاشرے سے انگریزی تہذیب کا ایک ایک جز نکالو! اسلامی تہذیب کو محفوظ رکھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہماری حکومت بھی اس مسئلے کو خوب سمجھتی ہے کہ اسلامی تہذیب کا تحفظ ہو۔

اب ہم یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ اسلام ایسا کیوں چاہتا ہے کہ اسلامی تہذیب غیر اسلامی تہذیب سے ممتاز و جدا رہے۔ دیکھو اس میں ہمارا فائدہ ہے خدا تعالیٰ کو فائدہ نہیں۔ اسلام ہماری بھلائی چاہتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں جو چیز بنائی ہے اس کی خاص خصوصیات ہیں۔ تو اگر وہ خصوصیات اس چیز میں باقی ہیں تو وہ چیز بھی موجود ہے ورنہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو جدا اور ممتاز بنایا ہے کہ کسی چیز کو خلط ملط نہیں کیا۔ گھوڑے کی ہستی گدھے کی ہستی سے جدا و ممتاز ہے۔ تو ہستی کو باقی رکھنے والی چیز یہی امتیاز اور جدائی ہے۔ تو ہستی کی حفاظت مطلوب ہے۔ اور محفوظ ہونی بھی چاہیے۔ اسی طرح انسان کی صورت حیوان سے اور سورج کی صورت چاند سے ممتاز اور جدا بنائی۔ ایک آدمی کی صورت دوسرے سے نہیں ملتی۔ سبحان اللہ کتنا امتیاز رکھا؟ صورت چھوڑ دو آواز بھی ایک دوسرے کی نہیں ملتی۔ کتنا عظیم امتیاز رکھا۔ معلوم ہو گیا کہ قدرت نے فطرت کائنات میں امتیاز رکھا ہے کیونکہ امتیاز میں تحفظ وجود ہے۔

تو جب ان اشیاء میں امتیاز ضروری ہے تو اصل اسلام اور اصل کفر میں تو اور بھی زیادہ امتیاز مقصود ہے۔ مثلاً مسلمانوں کی تہذیبی یا ثقافتی امتیاز اہل یورپ کی ثقافت سے۔ یہ اسلام کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ اسلام یورپی تہذیب کو مسلمانوں سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ جو قوم اپنی ثقافت اور سابقہ روایات کو برقرار رکھے وہ قوم بہت لمبے زمانے تک رہتی ہے اور اسے کوئی قوم یا طوفان ختم نہیں کرسکتا۔ تو وہ قوم زندہ رہتی ہے جو اپنی ثقافت پر ثابت قدم رہے۔ دنیا میں ایسی قوم ہندو دیکھی گئی ہے۔ بزدل اور بخیل ہونے کے باوجود بھی قائم ہے۔ یہ صرف اپنی ثقافت پر ثابت قدم رہنے کی وجہ ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاء کا دربان ایک ہندو تھا بہت عرصہ دربان رہا۔ کسی نے کہا کہ حضرت! یہ مسلمان نہ ہوا؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ قوم ثقافت میں مضبوط ہے کسی کی بات نہیں مانتی۔ مگر آج کا مسلمان ایسی قوم ہے کہ ہر طوفان اسے اڑا لے جاتا ہے۔ خیر حضرتؒ کی صحبت کی برکت سے ان کی وفات کے بعد وہ ہندو مسلمان ہوگیا۔

آئین نو سے ڈرنا طرز کہن پہ چلنا   منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

میں آئین کے متعلق بات کررہا ہوں کہ یورپی آئین سے بچو۔ ان کی صنعت وحرفت کے متعلق نہیں کہہ رہا۔ سنو! یہ ہنر اور صنعت وحرفت بھی مسلمانوں کی تھی یورپ اس سے ناآشنا تھا۔ مسلمانوں نے جب اندلس فتح کیا تو اس وقت انگریز قینچی اور سوئی نہ بنا سکتا تھا۔ یہ ہنرمندی انگریز نے مسلمانوں سے سیکھی ہے۔ اب تو مسلمان صرف ناچ گانے کے رہ گئے۔

عقلی طریقہ سے وضاحت کرتا ہوں۔ دیکھو ہم مسلمانوں کو قومی اور ملی وجود کی ضرورت ہے اور یہ اس وقت محفوظ ہے جب اس کی ثقافت محفوظ ہے۔ ثقافت سے قوم اور ملت کے وجود کو بقا ہے۔ گلاب کے پھول میں خوشبو نہ رہے تو وہ گلاب نہیں۔ وہ کاغذی گلاب ہے۔ تو اگر ہم نے اپنی خوشبو کو قائم نہ رکھا اور کسی دوسری قوم کی تہذیب اختیار کی یا اس کی روش اختیار کی تو ہم کاغذی پھول کی طرح ہونگے اور ایسی قوم مٹ جاتی ہے اسے بقا نہیں ہوتی۔

دوسری عقلی وجہ یہ ہے کہ اسلام کو ظاہری امتیاز بھی مطلوب ہے۔ مثلاً ختنہ کو لے لو یہ مسلمانوں کا ظاہری امتیاز ہے تو جب تحفظ ملت ضروری ہے تو ختنہ کا بھی تحفظ ضروری ہے۔

یاایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود والنصٰری اولیاء:

اے مومنو! یہود ونصاریٰ کو دوست مت بناؤ۔

اس سے ہمارا فائدہ ہے اللہ تعالیٰ کا فائدہ نہیں۔ اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ وہ تو ایک ارادے یہود ونصاریٰ تو کجا پوری دنیا کو صفحہ ہستی سے مٹا سکتا ہے۔ اگر ہماری تہذیب اور طرز زندگی، طرز خوراک، طرز لباس۔ وغیرہ یورپ سے مشابہت رکھتا ہو تو ہم پھر ان سے ہوئے۔ کیونکہ آدمی چال اس کی اختیار کرتا ہے جس کو اپنا دوست سمجھتا ہو۔ اسلام نے دوستی کی مخالفت فرمائی ہے رواداری کی ممانعت نہیں فرمائی۔ دوست نہ بنانا یہ تعصب نہیں بلکہ حفاظت خود مختاری ہے۔ تو احسان اور رواداری کی ممانعت نہیں بلکہ دوستی کی ممانعت ہے۔ الفاظ ہیں اولیاء من دون المومنین: فرمایا کہ مومنو!

یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔

جب سے ہم نے ان یورپیوں کو دوست بنایا ہے تو دیکھو کہ مسلمان دنیا بھر میں ذلیل کتنا ہے۔

لا ینھکم اللّٰہ عن الذین لم یقاتلو کم فی الدین ولم یخرجو کم من دیار کم ان تبروھم وتقسطو الیھم. اللّٰہ یحب المقسطین: جو لوگ دین کے بارے میں تم سے نہیں لڑے اور تمھیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ اللہ تعالیٰ تمھیں اس بات سے نہیں روکتے کہ تم ان کے ساتھ مروت سے پیش آؤ اور تم ان سے انصاف کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

یہ اعتدال ہے۔ دل کی محبت پر کنٹرول ہو، انسانی رواداری ہو۔ یہ اسلام کا اصول ہے۔ دیکھو احسان ہاتھ یا زبان سے ہوتا ہے اور محبت دل سے ہوتی ہے۔ تو یہ ہے دین فطرت کہ احسان، بھلائی اور رواداری سے نہیں روکتا اسلام مگر دلی محبت سے روکتا ہے۔ کیونکہ دلی محبت سے غیر کا رنگ چڑھتا ہے۔ یہ فطرتی تقاضا ہے کہ جس سے محبت ہوگی اس کا رنگ چڑھے گا، اس کی روش اختیار کی جائے گی۔ اگر دوستی ہوئی تو رفتہ رفتہ ان کا لباس، پھر خوراک، پھر تہذیب اور بعد میں پھر ان کا دین پسند آنے لگے گا۔ اگر پوری دنیا کافر ہو جائے تو اللہ کو کوئی پروا نہیں۔ اس کی جہنم بہت کشادہ ہے۔ یوم تقول لجھنم ھل امتلئت وتقول ھل من مزید: قیامت کے دن جہنم سے پوچھا جائے گا کہ کیا تو بھر گئی؟ وہ کہے گی کہ اور چاہیے۔ مزید انسان چاہئیں۔

حدیث شریف میں ہے من تشبہ بقوم فھو منھم: فرمایا کہ جو جس قوم کی شکل وصورت اختیار کرے گا وہ اسی میں سے ہوگا۔

دیکھو! قرآن وحدیث اور عقل تینوں نے کہا کہ اپنا تمدن، اپنی ثقافت قائم رکھو۔

دیکھو! انگریزوں کا ہنر اور صنعت کاری تہذیب میں شمار نہیں ہوتے۔ تہذیب وتمدن اور ہنر وصنعت کاری یہ جدا جدا چیزیں ہیں۔ صنعت وحرفت کے ہم قائل ہیں کہ صرف یورپ کے برابر نہیں۔ بلکہ ان سے بڑھ چڑھ کر صنعت وحرفت میں ترقی کرو۔

آج ہمارے ملک کو بنے بیس سال گزر رہے ہیں مگر ایجاد میں صفر ہیں کوئی ایجاد نہیں کی۔ چین ہم سے ایک سال بعد آزاد ہوا مگر ایٹم بم تک جا پہنچا۔

بس ہمیں تو صرف پتلون پہننا آتا ہے۔ ہمیں تو قرآن اسلحہ سازی کا حکم دیتا ہے۔ واعدو الھم ما استطعتم: فرمایا کہ اسلحہ سازی پر اپنی پوری قوت صرف کر دو۔

تو یورپ کی صنعت کاری اور ہنرمندی لو اور اس کی گناہگاری مت لو۔ مگر ہم نے اس کے برعکس کر رکھا ہے۔ دیکھو! خدا تعالیٰ کا ایک قانون ہے کہ جب اس کی کسی نعمت کی قدر نہیں کی جاتی تو اللہ تعالیٰ وہ نعمت چھین کر دوسری قوم کو دے دیتا ہے۔ صنعت وحرفت تو ہماری نعمت تھی ہم نے اس کی بے قدری کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت چھین کر یہود ونصاریٰ کو دیدی۔

ثقافت کا (۱) اعتقادی شعبہ (۲) اخلاقی شعبہ (۳) عملی شعبہ (۴) معاشرتی شعبہ (۵) سیاسی شعبہ وغیرہ ہیں۔ زندگی کا ہر موڑ ثقافت کا ایک شعبہ ہے۔ اور ان میں اسلام نے ہمیں اصول اور تعلیم دی ہے۔ اگر ہم ان اصولوں سے منحرف ہوئے تو پھر قوم کو بقا نہیں۔ ناچنے اور گانے کو ثقافت کہنا یا ایسے ہے جیسا کہ پیشاب کو آب زمزم کہنا۔

اعتقادی شعبہ کے بارے میں یہ ہے کہ اسلام کے جو مخصوص عقائد ہیں اگر وہ عقیدے محفوظ ہیں تو اسلامی ثقافت موجود ہے۔ (۱) توحید (۲) نبوت و ختم نبوت (۳) مجازات اعمال و آخرت وغیرہ۔

توحید کی حقیقت اس جملے سے بہت بلند ہے کہ صرف یہ کہہ دینا کہ (خدا تعالیٰ ایک ہے) توحید کی حقیقت یہ ہے (کہ میں نے اپنی پوری کی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کے سپرد کردی ہے۔ اور اس کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم ہے)۔

مگر آج قرآن کی باتوں کو کہتے ہیں کہ یہ ملاؤں کی باتیں ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے قانون کو زندگی کے تمام شعبوں میں تسلیم کرنا یہ توحید ہے۔

دوم چیز نبوت اور ختم نبوت ہے۔ سو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مقدس ہستی کے کسی دوسرے پیغمبر علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہم کلامی نہیں کی۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مقدس اور پاکیزہ احکامات کو زندگی کے تمام شعبوں میں رائج کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زندگی مبارک کے طرز کی بھی پیروی کرنا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے نبوت کی ۲۳ سال زندگی

مبارک گزاری ہے تو مجھے بتاؤ کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کتنے جشن منائے ہیں؟ پس ایک سال میں دو عیدیں۔ حج اور جہاد کے جشن منائے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کتنے اونٹ نچوائے ہیں؟ حالانکہ اونٹ تو ہے بھی عرب کا جانور۔ جنہوں نے شرق و غرب فتح کیے ان میں انگریزی تعلیم کہاں تک تھی؟

تو اسلام نے ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں ایک ثقافت دی ہے اس پر چل کر ہماری بقاء ہے۔

زندگی، موت و حیات، خوشی و غمی، تندرستی و بیماری، مجلس و تنہائی، اخلاق و تعلیم ذکر و عبادت، وغیرہ ان سب میں اسلام ہمیں ایک ثقافت دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ ہم اس ثقافت پر چل کر اپنی بقاء کو محفوظ رکھیں۔

عقل کی اہمیت

ایک ملعون قوم یہود سے اللہ کو شکایت ہے کہ تم میں یہ نقص ہے کہ دوسروں کو اچھی باتوں کے کرنے کا حکم دیتے ہو اور خود بھول جاتے ہو۔ افلا تعقلون: کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ قرآن سورۃ فاتحہ سے یہاں تک اب پہلی دفعہ عقل کا لفظ لایا ہے۔ چونکہ عقل کا لفظ پہلی دفعہ آیا ہے تو اس کی مختصر وضاحت ضروری ہے۔

مقامِ عقل۔

عقل، شریعت اور حکمت تینوں اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کے اندر سب سے قیمتی چیز کوئی ہے تو وہ عقل ہے۔

۱۔ عقل سے خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اس معرفت سے ایمان کا حصول ہوتا ہے۔

۲۔ خود عرف کے لحاظ سے اور اقوام عالم کے مسلمات کے اعتبار سے عقل کے کمال کے سامنے کوئی کمال مسلم نہیں۔

فرض کر لو کہ ایک آدمی دنیاوی لحاظ سے تمام بڑی ڈگریاں رکھتا ہے اور وہ بڑے سے بڑے عہدے پر فائز بھی ہے اب اگر وہ کسی وقت پاگل ہو جاتا ہے تو اب اس کا مقام پاگل خانہ ہوگا۔ یہ تمام دولتیں عقل کے چھن جانے سے ختم ہو گئیں۔

۳۔ تمام سائنسی ایجادات عقل پر موقوف ہیں۔ سائنس کی پوری کارروائی قوت متخیلہ کی کارروائی ہے۔

عقل کی فضیلت۔

عقل کی فضیلت کے مسئلہ پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ارشادات گرامی کو ایک محدث نے جمع کیا (کتاب العقل) نامی کتاب کی صورت میں یہ مصنفہ حضرت داؤد ابن محبر ہے۔ مسلمانوں سے بہت سی چیزیں بے عقلی کی وجہ سے گم ہو گئیں اسی طرح یہ کتاب بھی گم ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون: لیکن حضرت امام غزالی نے احیاء العلوم میں باب العقل کے اندر ان روایات کو نقل کیا ہے۔ یہ ذخیرہ محفوظ ہے۔

حدیث شریف۔

اولُ ما خلق اللّٰہُ العقل فقالَ له اقبل فاَقْبلَ ثمّ قال له ادبر فاَدبر ثم قال اللّٰہ عزّوجلّ وعزتی وجلالی ما خلقت خلقاً اکرمُ علیَّ منک بک اخذ وبک اُعطی وبک اُثیب وبک اُعاقب:

ترجمہ: سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو چیز پیدا کی وہ عقل ہے تو اس سے کہا کہ آگے آ! (یعنی جنت کی طرف آ) تو وہ آگے آئی پھر کہا پیچھے ہٹو! (یعنی جہنم سے پیچھے ہٹو) تو وہ پیچھے گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم میں نے کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی جو میرے نزدیک تجھ سے زیادہ عزت والی ہو۔

(حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی بوجہ اپنی عقل مبارک کے افضل المخلوقات ہیں کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کو جو عقل مبارک عطا کی گئی ہے اس کے برابر کسی کو نہیں دی گئی) تیری ہی وجہ سے میں لوں گا (یعنی دین کی نعمتیں تیری کم عقلی کی وجہ سے بند کردوں گا) اور تیری ہی وجہ سے میں دوں گا۔ (یعنی دین کی تمام نعمتیں عقل کی وجہ سے دوں گا) اور تیری ہی بدولت میں ثواب دوں گا اور تیری ہی وجہ سے میں سزا دوں گا۔

عقل کی لفظی تحقیق۔

کہ لفظ (عقل) کے لیے ع۔ق۔ل کے حروف کیوں لائے گئے؟

(۱) عقل کے اصل معنی روکنے کے ہیں۔ عقال اس رسی کو کہتے ہیں جس سے اونٹ کا گھٹنا باندھ کر اسے سرکشی اور بھاگنے سے روکا جائے۔

۲۔ دِیَت۔

عقل بمعنی دیت بھی آتا ہے قتل غیر عمد میں دیت ادا کرنا پڑتی ہے۔ یعنی مقررہ رقم۔ تو دیت ادا کر کے قاتل پھانسی کی سزا سے بچ گیا۔ تو عقل بھی انسان کو قتل کرنے سے روکتی ہے اس لیے دیت کو عقل کہتے ہیں۔

۳۔ حِجیٰ۔

عقل کو حجی بھی کہتے ہیں۔ حجی معنی رکاوٹ۔ تو عقل ایک رکاوٹی قوت کا نام ہے۔ یعنی نقصان سے روکتی ہے۔

تو ان مندرجہ بالا تین صورتوں سے معلوم ہوا کہ عقلمند وہ شخص ہے جو گناہوں سے بچے، سرکشی سے رکے وغیرہ۔ چیزوں کی ایجادات عقلمندی کی علامت نہیں۔ ایجادات تو قوت متخیلہ کا کام ہے جس نے سوچا اپنا کشکول خدا کے سامنے پھیلایا یا خدا نے اسے مشین کے نقشے کی خیرات ذہن میں ڈال دی اس میں مسلم اور غیر مسلم کی شرط نہیں۔ مسلمان قوم یہ سوچ وبچار چھوڑ بیٹھی حالانکہ یورپ نے سائنس کا فن مسلمانوں سے لیا ہے۔ مسلمانوں نے جب اندلس فتح کیا تو یورپ اس وقت قینچی بنانا نہ جانتا تھا۔

آج انگریز کو عقلمند کہا جاتا ہے انگریز عقلمند ہوتا تو گناہ سے بچتا۔ کونسا گناہ ہے جو انگریز قوم میں نہیں باقی رہا ایجادات تو یہ قوت متخیلہ کا کام ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہگار مسلمان عقلمند نہیں ہو سکتا۔

آج اس کو علقمند کہتے ہیں جو دولت زیادہ کمائے مگر حضرت امام شافعیؒ کا قول ہے کہ دولت اکثر بیوقوفوں کو اللہ میاں زیادہ دیتے ہیں۔

۴۔ معقل۔

عربی میں معقل قلعہ کو کہتے ہیں جو دشمن سے محفوظ ہونے کے لیے بنائے جاتے تھے۔ یہ قلعے بھی رکاوٹ کا کام کرتے تھے۔ اب تک عقل کی لفظی تحقیق گزری ہے اب مصداقی اور معنوی تحقیق باقی ہے۔

عقل کا سرچشمہ قلب ہے۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔

قوۃ فی الدماغ نورہ فی القلب: مطلب یہ کہ دل سے ایک روشنی دماغ کو آ کر

ایک قوت بن جاتی ہے۔

اس قوت کا نام عقل ہے۔ یہ مصداق ہوا۔

سیدنا حضرت علیؓ کا ارشاد گرامی ہے کہ عقل کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) مطبوع (۲) مسموع

جو عقل قدرتی طور پر عطا ہو وہ مطبوع ہے اور جو تعلیم کے ذریعے عقل کو بڑھایا جائے وہ مسموع ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک عقل کی روشنی ہے یہ عقل مطبوع ہے اور ایک قرآن کی روشنی ہے یہ عقل مسموع ہے۔ تو فرمایا کہ انسان میں ان دونوں کا ہونا ضروری ہے۔ مثال فرمائی کہ دنیا کی چیزوں کو دیکھنے کے لیے دو روشنیوں کی ضرورت ہے۔

(۱) اندرونی روشنی۔ یعنی آنکھ کی روشنی۔

(۲) بیرونی روشنی یعنی سورج یا بجلی وغیرہ کی روشنی۔

ان دونوں میں ایک نہ ہو تو کام نہیں چلتا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے قرآن کی روشنی حضرت صدیق اکبرؓ کو بھی سنائی اور ابوجہل کو بھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اندرونی عقل کی روشنی موجود تھی جب باہر کی روشنی قرآن کی پڑی تو راستہ تلاش کرلیا۔ ابوجہل کو باہر کی روشنی ملی مگر اندر عقل کی روشنی نہ تھی اس لیے راستہ سے بھٹکارہا۔

انھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب: کہ ان کے قلب اندھے تھے آنکھیں اندھی نہ تھی تو قرآن نے قلب کا نام لیا ہے عقل کا نہیں۔ معلوم

ہوگیا کہ قلب عقل کا سرچشمہ ہے۔

آج ہم تو عقل کا معیار دولت اور انگلش تعلیم کو سمجھتے ہیں۔ مگر ہم اب یہ دیکھتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے عقل کا کیا معیار بنایا تھا۔ حضرت امام غزالیؒ احیاء العلوم کی شرح اتحاف میں لکھتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے زمانے میں ایک عیسائی شخص تحریر وغیرہ میں بڑا ہوشیار تھا تو ایک کی زبان سے نکلا (عاقل) کہ یہ شخص عقل والا ہے۔ تو ایک صحابیؓ نے فرمایا خبردار! اسے ہنر مند کہو اسے عقلمند مت کہو یہ عقل والا ہوتا تو ایمان سے محروم ہوتا؟

یہ خدا کی بات ہے جو حضرات صحابہ کرامؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے سیکھی تھی مگر آج ہم نے تو انگریز سے سیکھی ہے۔ ولقد ذرانا لجھنم کثیرا من الجن والانس: اور یقیناً ہم نے جہنم کے لیے بہت سے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا۔ تو یہ جہنم میں کیوں جائیں گے؟ تو اس کو بھی قرآن بیان کرتا ہے۔

لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اذان لایسمعون بھا ولھم اعین لایبصرون بھا اولئک کالانعام بل ھم اضل:

ترجمہ: ان کے دل ہیں لیکن سمجھتے نہیں اور ان کے کان ہیں ان سے وہ سنتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں ان سے وہ دیکھتے نہیں وہ جانوروں کی مثل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں اور بدتر ہیں۔

آج ہم انہیں جو کچھ سمجھیں مگر ان کا خالق کہتا ہے کہ وہ تو جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ اتحاف میں ہے کہ جس نے خدا کی نافرمانی کی جان لو کہ وہ بے عقل ہے اور

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

القردة والخنازير خير من الفاسقين : کہ بندر اور خنزیر خدا کے نافرمان بندوں سے بہتر ہیں۔ کیونکہ گناہگار کے لیے جہنم ہے اور ان دونوں کے لیے جہنم نہیں۔

حقیقت عمل۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ زبان سے ان کی تشریح نہیں کی جاسکتی البتہ صاحب ذوق اپنے ذوق سے پہچان لیتا ہے۔ تو فرماتے ہیں ان چیزوں میں سے ایک عقل بھی ہے۔ عقل کی تشریح بھی زبان سے نہیں کی جاسکتی۔

حضرت امام غزالیؒ کے اس فقرہ کی اب میں وضاحت کرتا ہوں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ آم کے اندر شیرینی موجود ہے مگر وہ شیرینی (مٹھاس) نظر نہیں آتی۔ اب وہ شیرینی موجود تو ہے مگر اس کی تشریح کوئی نہیں کرسکتا۔ تاہم حضرت امام غزالیؒ نے حضرت حارث ابن اسد محاسبیؒ سے عقل کی تعریف نقل کی ہے۔ یہ بہت بڑے عالم اور بہت بڑے ولی بھی تھے۔

قوة غريزية : کہ عقل ایک قوت ہے جو انسان میں خدا تعالیٰ پیدائشی طور پر رکھتا ہے۔ تهيء للعلم والعمل : جو انسان کو علم اور عمل کے لیے تیار کرتا ہے۔ پھر امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی صحیح شناخت ان علامات سے ہوتی ہے جن علامات سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ اس شخص میں عقل ہے کہ نہیں۔ محل عقل کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کا اصل محل تو دماغ ہے مگر اس کا نور قلب میں بھی ہوتا ہے۔

محل عقل۔

عقل کا محل کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ عقل کا محل دماغ ہے۔ اور حضرت امام اعظمؒ کی رائے ہے کہ عقل کا محل قلب ہے۔ ہر چیز کے لیے ایک منبع اور سرچشمہ ہوتا ہے مثلاً دریا پہلے ایک چشمہ ہوتا ہے جو بہہ کر دریا بن جاتا ہے۔ تو مظہر تو دریا ہے لیکن اس کا منبع وہ چشمہ ہے جس سے وہ دریا نکل رہا ہے۔

اسی طرح عقل کا سرچشمہ قلب ہے لیکن جب وہ ظاہر ہوا تو دماغ کی صورت میں۔ تو قلب سے نور پھیلا اور دماغ سے ظہور میں آیا۔ قرآن بھی اسی پر دلالت کرتا ہے قرآن نے بھی قلب کا لفظ لیا ہے۔ لهم قلوب لا يفقهون بها : کہ ان کے قلوب ہیں لیکن ان دلوں سے عقل کا کام نہیں لیتے۔

عقل متفاوت۔

اب یہ مسئلہ کہ عقل متفاوت ہے یا ایک ہے؟ امام غزالیؒ نے بہت لمبی بحث کی ہے مگر فیصلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کو تفاوت سے پیدا کیا۔ اتحاف میں حضرت علامہ زبیدیؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں میں عقل ایک ذرہ ریت کے برابر رکھی اور بعضوں میں چند ذرات اور بعضوں کے اندر لُخمًا کے دانہ کے برابر اور بعضوں کو ریت کے ٹیلے کے برابر عطا کی ہے۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ایک انسان میں مختلف اوقات میں مختلف قسم کی عقل ہے۔ بچپن، لڑکپن، جوانی اور بڑھاپا ان تمام حیثیتوں میں مختلف قسم کی عقل

ہوتی ہے۔

ہمارے لیے جو عملی چیز ہے وہ ہے علاماتِ عقل یا ممیزاتِ عقل۔ اب ان میں دیکھنا یہ ہے کہ فلاں میں عقل صحیح ہے یا غلط۔ بس عقلمند وہی ہے جسے خدا تعالیٰ عقلمند کہے یہ نہیں کہ جسے انسان عقلمند کہے۔

علاماتِ عاقل و غیرہ عاقل۔

اب قرآن و حدیث کی روشنی میں عاقل اور غیر عاقل کی علامات دیکھنا چاہتے ہیں۔ پہلے یہ جان لو کہ قرآن کسی کے متعلق کہے کہ اس میں عقل، فکر و شعور نہیں تو اس کی دلیل ہے کہ یہ آدمی عقل سے خالی ہے۔

ا۔ فساد کو اصلاح کہنا۔

(یہ منافقوں کا بیان چل رہا ہے اور آج منافق لیڈر کو عقلمند کہا جاتا ہے۔)

تو پہلی علامت غیر عاقل کی یہ ہوئی کہ وہ فساد کو اصلاح کہتا ہے۔

واذا قیل لھم لاتفسدوا فی الارض قالوا انما نحن مصلحون الا انھم ھم المفسدون ولکن لایشعرون:

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جائے کہ تم زمین میں فساد نہ کرو تو وہ کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار! وہی فساد کرنے والے ہیں لیکن وہ شعور نہیں رکھتے۔

کہ یہ فسادی ہیں سمجھ بوجھ سے خالی ہیں۔ معلوم ہوا کہ بے عقل ہیں۔ تو جو آدمی صلاح اور فساد میں فرق نہ کرے یعنی اچھی اور بری میں فرق نہ کرے تو قرآن کہتا

ہے کہ وہ بے عقل ہے اسے شعور نہیں۔

کیا منافق فرق نہیں جانتے تھے اچھے اور برے میں؟ وہ جانتے تھے کہ ایک طرف تو مدینہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کے صحابہ کرامؓ ہیں اور دوسری طرف مکہ کے کافر ہیں۔ تو منافقوں نے اپنے آپ کو ہوشیار سمجھا کہ دونوں طاقتوں سے بنا کے رکھیں۔ تو جس کی مجلس میں جاتے اسی کے ہو جاتے۔ وہ اسے دانائی سمجھتے تھے۔

آجکل دنیا کی عظیم ترین طاقتیں یعنی امریکہ وغیرہ بھی منافقت میں شمار ہوتی ہیں اور خدا تعالیٰ منافقت کو بے عقلی فرماتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کے صحابہ کرامؓ یہ اللہ کے وفادار بندے ہیں اور کافر اللہ کے باغی ہیں۔

تو کیا وہ ملک یا وہ حکومت خوش رہے گی، پھلے پھولے گی یا ترقی کرے گی؟ جو اللہ کے باغی سے دوستی رکھے۔

یہاں سے ایک اور مسئلہ نکلا (کہ وفادار اور باغی کو ایک برابر سمجھنا یہ منافقوں کی چال ہے)۔

میں سوچ رہا تھا کہ منافقوں کا بیان ہے ہمارے (پاکستانی لیڈر) بھی تو منافق ہیں کیا قرآن نے بھی کہیں ان کا ذکر کیا ہے تو آیت ذہن میں آ گئی۔ یہ قرآن کا اعجاز ہے۔ جس کا آگے چل کر ذکر کرونگا۔ تو قرآن نے بھی اچھے اور برے لوگوں کا امتیاز کیا ہے۔

اچھے لوگ کون ہیں؟

حضرت صہیبؓ روم کے رہنے والے تھے یہ صدق دل سے ایمان لائے تھے اور تقریباً ہر قسم کے ہنر جانتے تھے۔ حضرت صہیبؓ رومی نے مکہ شریف میں خوب شہرت پا رکھی تھی اور خوب چرچا تھا۔ انہوں نے مکہ سے جب ہجرت کی تو مکہ کے کفار نے ان کا پیچھا کیا اور راستے میں آلیا۔ یہ صحابیؓ خوب تیر انداز تھے اور اس وقت ان کے پاس تیر بھی موجود تھے تو آپؓ نے کفار سے کہا کہ اگر تم نے مجھ پر حملہ کیا تو تم مجھے جانتے ہو کہ میں صہیبؓ ہوں میں سب کو ختم کر کے رکھ دونگا۔ کفار مکہ نے کہا کہ تم نے مکہ سے بہت دولت کمائی ہے تمہیں مکہ سے نہیں جانے دیتے۔ تو آپؓ نے فرمایا کہ دولت فلاں جگہ پڑی ہے وہ جا کر اٹھا لو میرا راستہ مت روکو۔ یہ تھے صحابہ کرامؓ کوئی آجکل کے ہمارے پاکستانی منافق لیڈر تو نہیں تھے کہ دنیا کی لالچ میں دیوانے ہوئے پھرتے ہیں۔ نہ قوم کا احساس ہے نہ ملک کا احساس ہے بس پیسہ ہو، کرسی ہو۔ ملکِ پاکستان قدرت کا ایک عظیم عطیہ ہے ہم نے اس نعمت کی قدر نہیں کی۔

خیر اللہ تعالیٰ کو حضرت صہیبؓ کی یہ تجارت پسند آئی جبرائیل آیت لیکر آ گئے کہ اللہ کہتا ہے ہمیں تیرے ساتھی کی تجارت پسند ہے

ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد:

ترجمہ: کچھ لوگ خدا تعالیٰ کی رضا کی تلاش و طلب میں اپنے آپ کو بیچ دیتے ہیں اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔

حضرت خواجہ حافظ فرماتے ہیں۔

حسنؓ ز بصرہ و بلالؓ و صہیبؓ از روم
ز خاک مکہ بوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

منافق لیڈروں کا ذکر۔

قرآن نے ہمارے پاکستانی منافق لیڈروں کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ خدا کہہ رہا ہے میں نہیں کہہ رہا کیونکہ خدا تعالیٰ کو تو ہر چیز پر نظر ہوتی ہے چودہ سو سال پہلے ذکر کر رہا ہے۔

ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیوۃ الدنیا ویشھد اللہ علی مافی قلبہ وھو الد الخصام:

ترجمہ: اور بعضا آدمی وہ ہے کہ پسند آتی ہے تجھ کو اس کی بات دنیا کی زندگانی کے کاموں میں اور گواہ کرتا ہے اللہ کو اپنی دل کی بات پر اور وہ سخت جھگڑالو ہے۔

قرآن منافق کے بارے میں فرماتا ہے کہ منافق ظاہری طور پر خوشامد کرتا ہے اور اپنی اچھائی اور سچائی پر اللہ کو گواہ کرتا ہے خدا تعالیٰ کی قسمیں کھاتا ہے کہ میں مخلص ہوں میرے دل میں اسلام کی محبت ہے اور جب اسے موقع ملے تو اسلام دشمنی میں کسر باقی نہیں رکھتا اور لوٹ مار میں کمی نہیں رکھتا اور لوگوں کو خوب نقصان پہنچاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اخنس ابن شریق نامی ایک ادیب منافق شخص تھا جب یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت اقدس میں آتا تو اپنی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اسکی عمدہ عمدہ باتیں کرتا تو آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) تعجب فرماتے۔ وہ اسلام کی خوب پاسداری بیان کرتا اور خوب امن کی باتیں کرتا مگر جب اسے موقع ملتا تو وہ زمین میں فساد برپا کرتا کسی کی کھیتی جلا ڈالتا اور کسی کے جانوروں کے اعضاء کاٹ دیتا۔ تو اللہ نے ایسے لوگوں کو منافق کہا ہے۔ اور اللہ نے ان کا ٹھکانا جہنم بنایا ہے۔

(۱) بعینہ اسی طرح آج کے ہمارے پاکستانی لیڈر جب ووٹ لینے کے لیے سٹیج پر آتے ہیں تو خوب اچھی باتیں کرتے ہیں۔ مثلاً پاکستان کا کیا مطلب کیا؟ امن امن۔ ہماری پارٹی اگر کامیاب ہو کر برسر اقتدار آ گئی تو ہم ملک کو جنت بنا دیں گے ملک سے گرانی ختم کر دیں گے۔ مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ جب یہ حاکم بنتے ہیں تو ملک میں اسلام کے نام لینے والے کو غدار کہتے ہیں۔ امن کی بجائے خوب قتل و غارت کرتے ہیں۔ ارزانی کی بجائے گرانی کو ترقی دیتے ہیں غرضیکہ فحاشی اور بدمعاشی میں انتہا کر دیتے ہیں۔ قرآن نے اس کو منافقت بیان کیا ہے۔

(۲) واذا تولی سعی فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل واللہ لایحب الفساد:

ترجمہ: اور جب پیٹھ پھیرتے ہیں تو زمین میں فساد کرتے ہیں اور کھیتی اور حیوانات کو ہلاک کرتے ہیں۔ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ جب حاکم بُرے لوگ ہوں تو ان کی بداعمالی کی وجہ سے خدا تعالیٰ آسمان سے رحمت کا پانی نہیں برساتا۔ جس سے کھیتی اور جانور وغیرہ متاثر ہوتے ہیں۔

(ان دنوں ملک میں پانی کی کمی تھی جس سے ملک کی خوشحالی متاثر ہوئی تھی حضرت افغانی کا اشارہ اسی طرف تھا)

تو ہمارے منافق لیڈروں کا پہلا معاملہ سٹیج کا تھا اور دوسرا اقتدار میں آجانے کے بعد ان کے گندے اعمال کا معاملہ تھا۔

(۳) تیسری تفسیر یہ ہے کہ جب وہ برسر اقتدار آتے ہیں تو حرث کھیتی کو ہلاک کرتے ہیں۔

قرآن نے حرث بیوی کو بھی کہا ہے اور نسل سے مراد اولاد ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ واذا تولی سعی فی الارض: جب وہ منافق صفت لیڈر ممبر بن کر سٹیج سے نیچے اترتے ہیں یعنی زمین پر کرتے دھرتے بنتے ہیں تو پھر وہ اپنے کیے ہوئے وعدوں کو بھول جاتے ہیں۔ (حرث) کہ وہ اپنی بیویوں کو عریانی، فحاشی اور دنیاوی آزادی کی صورت میں ہلاک کرتے ہیں۔ عورتوں کو بے پردہ کرتے ہیں، سینماؤں اور کلب گھروں کی زینت بناتے ہیں وغیرہ ان کے بدافعال اور بداعمالی کی وجہ سے عوام میں بھی بے حیائی پھیلتی ہے۔ اس بے پردگی اور بے حیائی کو اللہ تعالیٰ ہلاکت فرماتے ہیں۔ (والنسل) سے اولاد مراد ہے۔ اولاد کو کیسے ہلاک کرتے ہیں۔ اولاد کو غیر اسلامی تعلیم اور غیر اسلامی تہذیب دیکر ہلاک و برباد کرتے ہیں۔ دنیاوی تعلیم سے

اسلام منع نہیں کرتا مگر تہذیب وتمدن پر دنیاوی تعلیم کا رنگ نہیں چڑھنا چاہیے۔ تو خدا تعالیٰ نے غیر اسلامی تعلیم کو ہلاکت اور بربادی کہا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جن والدین نے اپنی اولاد کو غیر اسلامی تعلیم دی تو قیامت کے دن اولاد والدین کے گلے میں کپڑا ڈالے گی کہ تم نے ہمیں جہنم میں دھکیلا ہے۔ یہ والدین ہی اپنی اولاد کے خود دشمن بنے ہوئے ہیں۔

تو منافقوں کی پہلی علامت یہ ہوئی کہ وہ فساد کو اصلاح کہتے ہیں۔

آج ہمارے منافق حکمرانوں سے تو انگریز حکمران بھی صحیح فیصلے کرتے تھے۔ حکومت برطانیہ نے ۱۹۲۲ء میں کچھ علماء کرامؒ کو گرفتار کیا کہ تم نے جو فلاں تقریر کی ہے یہ برطانیہ حکومت کی غداری کی ہے۔

تو علماء کرامؒ نے جج کو کہا کہ کیا ملکہ وکٹوریہ کا یہ اعلان درست ہے کہ یہاں مذہب کی آزادی ہے؟ جج نے کہا ہاں یہ اعلان درست ہے۔ تو علماء کرامؒ نے کہا کہ جو کچھ ہم نے کہا ہے یہ قرآن وحدیث سے بیان کیا ہے یہ ہمارے مذہب کی درست بات ہے۔ تو اس بیان پر انگریز جج نے رہا کر دیا۔

مگر آج مسلمان حکمران ہو کر قرآن وحدیث بیان کرنے والے کو کہتے ہیں کہ تم فساد کرتے ہو۔ تو یہ حکمران قرآن وحدیث کو نعوذ باللہ فساد کہتے ہیں یہ منافقوں کی علامت ہے۔ یہ ملک جو خالص اسلام کے نام پر وجود میں آیا تھا اس ملک میں علماء کرامؒ کو گرفتار کیا جاتا ہے کہ تم فسادی ہو اور غداروں کو چھوٹ ہے۔ تو یہ فساد کو اصلاح کہنا ہوا۔

منافقوں کی دوسری علامت۔

واذا قیل لهم امنوا کما امن الناس قالوا انؤمن کما امن السفهاء الا انهم هم السفهاء ولکن لا یعلمون:

ترجمہ: جب انہیں کہا جائے کہ صحابہ کرامؓ کے مثل ایمان لاؤ (جواب) دیتے ہیں کیا ہم بیوقوفوں کی طرح ایمان لائیں۔ پھر خدا تعالیٰ نے (جواب دیا) خبردار وہ خود بیوقوف ہیں انہیں علم نہیں۔

اس سے اہل دین یعنی علماء کرامؒ اور دیگر دینداروں کو احمق اور بیوقوف کہنے کی علامت ظاہر ہوگئی۔

معلوم ہو گیا کہ جو اہل دین کو احمق کہے بیوقوف کہے وہ خدا کے ہاں خود احمق اور بےعقل ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ (لایشعرون، لایعلمون:) کہ شعور اور علم نہیں رکھتے۔

کیا آج کے انگریزی تعلیم یافتہ اور یورپی تہذیب کے دلدادہ حکمران دین والوں کو بیوقوف نہیں سمجھتے۔ اور دین کو حکمرانی سے دور نہیں کر رکھا؟

طبقات: نامی کتاب میں حضرت بشر حافیؒ کی پیش گوئی نقل فرمائی ہے کہ آخر زمانہ میں حکمرانی حمقاء (بیوقوف) طبقہ میں آجائے گی۔ دیکھو دین مکمل عقل اور حکمرانی کا مالک ہے تو جو دین سے محروم وہ عقل سے محروم۔

تو جو اہل دین کو احمق کہے وہ خود احمق ہے۔ اس کی ذرا تفصیل بیان کرتا ہوں۔

دیکھو اللہ تعالیٰ کی ایک عادت ہے وہ جو کام کرتے ہیں تو اس کا کوئی سبب رکھتے ہیں۔ مثلاً بھوک ہٹانا اللہ کا کام ہے مگر بسبب کھانے کے۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر تو ہے کہ کھانے کے کھائے بغیر بھوک ہٹا دے مگر کھانے کا سبب رکھا ہے۔ اسی طرح دوسری مثالیں بھی تصور کریں۔

اللہ تعالیٰ نیک عمل بھی اور بد عمل بھی بناتا ہے لیکن قاعدہ یہ ہے کہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے۔ تو دین کا یقین پیدا کرنا چاہیے وہ تب ہوگا جب دینداروں سے صحبت ہوگی اور دینداروں سے انسان صحبت تب کرے گا جب اسے دیندار سے محبت ہوگی۔ اگر نفرت ہوگی تو صحبت کیا اختیار کریں گے۔

تو دینداروں سے صحبت دین میں یقین پیدا کرنے کا سبب بنی۔ مگر یہ یورپی تہذیب کے دلدادہ تو دینداروں کو احمق اور بیوقوف کہتے ہیں اس وجہ سے انہیں دینداروں کی صحبت نصیب نہ ہوگی تو بایں صورت ان پر نیکی کے تمام دروازے بند ہو گئے یہ ہدایت سے محروم ہو گئے مکمل شرعی شر قلب میں رچ گیا۔ اب آپ خود سوچیں کہ نقصان کس کا ہوا؟ انہی یورپی تہذیب کے دلدادوں اور شیدائیوں کا نا۔ اسی لیے قرآن انہیں (سفہاء) احمق بے علم، بے شعور کہہ کر پکارتا ہے کہ انہیں اپنے نقصان کا بھی پتہ نہیں۔

تاریخ میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دعویٰ نبوت کے ساتھ ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تو پہلے ایمان قبول کیا پھر رفتہ رفتہ وہ حضرات بھی ایمان لے آئے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صحبت میں بیٹھتے تھے اور حضرت صدیق اکبرؓ

کے ساتھی تھے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عباسؓ، حضرت سیدنا حمزہؓ یہ سب حضرت صدیق اکبرؓ کی وجہ سے ایمان لائے۔ ابوجہل بھی تو اسی زمانے کا تھا وہ ایمان نہ لایا کیونکہ وہ حضرت صدیق اکبرؓ کی صحبت میں نہ بیٹھتا تھا اور جو ایمان لائے وہ صاحبان حضرت صدیق اکبرؓ کی صحبت میں بیٹھتے تھے۔

میاں! نیک اور دیندار لوگوں کی صحبت میں بیٹھا کرو اس سے دنیا اور آخرت دونوں بنتے ہیں۔ انگریزوں نے جب دہلی پر قبضہ کرلیا تو ایک دن وائسرائے نے دہلی کی جامع مسجد میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا درس قرآن سنا درس (تبیانا لکل شئی) پر تھا اس نے سوال کیا آپ جیسے دانا آدمی کے ہوتے ہوئے ہم نے اس ملک پر کیسے قبضہ کرلیا؟ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا اگر یہ لوگ (حکمران) وقت کے حاکم ہماری صحبت میں بیٹھتے ہمارے ساتھ تعلق رکھتے تو آپ ہمارے ملک کی گرد کو بھی نہ چھو سکتے تھے۔

آج کے حکمران علماء کرامؒ کو برا سمجھتے ہیں حالانکہ جس ملک پر تم حکمرانی کر رہے ہو یہ ملک بھی تمہیں علماء کرامؒ کی وجہ سے نصیب ہوا ہے۔ جہاں جہاں علماء کرامؒ پہنچے وہاں مسلمان اور دین پھیلا اور کثرتِ مسلمانوں والا علاقہ پاکستان بنا۔ اب بھی دنیا بھر کا سفر کرلو ہندو پاک کے برابر آپ کو علماء کرامؒ کہیں نہیں ملیں گے۔

منافقوں کی تیسری علامت۔

تحسبهم جميعاً وقلوبهم شتى: تم خیال کرتے ہو کہ وہ (یہود) متفق و متحد ہیں مگر ان کے قلوب مختلف ہیں۔ کیوں مختلف ہیں؟ ذالک بانهم قوم

لایفقھون :اس لیے کہ یہود بے عقل ہیں۔تو اس سے تیسری علامت یہ ملی کہ جو قوم متحد ہو وہ عقلمند ہے اور اور جو مختلف ہو یعنی اس میں اتحاد نہ ہو وہ عقلمند نہیں بے وقوف ہے۔ آج عالم اسلام کے مسلمان بھی یہودی بے عقل قوم کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

اصلاح معاشرہ

اصلاح معاشرہ کا دارومدار قلب کے سدھرنے پر ہے۔

آج کل یہ کہا جاتا ہے کہ اصلاح معاشرہ ہو۔ ہر شخص کے منہ پر یہ الفاظ ہیں اور ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ اصلاح معاشرہ ہو۔لیکن جو تدبیر جدید تعلیم یافتہ یا ہمارے جاہل حکمران بتاتے ہیں وہ علاج غلط ہے۔ جب علاج ہی غلط ہوگا تو مرض کیسے ختم ہو۔

• بعض کہتے ہیں کہ قانون کے ذریعے اصلاح کی جائے۔اور بعض کہتے ہیں کہ لائبریریوں کے ذریعے اور بعض کہتے ہیں کہ چند نصائح کے ذریعے معاشرہ کی اصلاح کی جائے۔

ایک انجینئر صاحب جو نیک آدمی ہیں انہوں نے اصلاح معاشرہ پر کچھ اچھی چیزیں لکھی ہیں مگر بنیادی چیز انہوں نے بھی نہیں لکھی جو میں نے انہیں زبانی بتلادی ہے۔

قانونی اصلاح۔

اگر قانون کے ذریعے تم معاشرہ درست کرنے لگو تو سب جانتے ہیں کہ معاشرہ کو خراب کرنے کے لیے رشوت ایک زہر ہے۔اور رشوت کے لیے ایک قانون بھی ہے اور اس پر سخت سزا بھی ہے جیل وغیرہ اور اس کے ختم کرنے کے لیے باقاعدہ ایک محکمہ بھی ہے۔ (خود اس محکمے کا آفیسر بھی اسی رشوت کے معاشرہ کی پیداوار ہے)۔

اگر اسی طرح بتدریج آفیسر پہ آفیسر مقرر کیا جائے تو کیا رشوت ختم ہو جائے گی؟ نہیں ہوگی۔ بلکہ رشوت در رشوت ہوتی چلی جائے گی۔ میں نے پشاور کے اجلاس میں حکومت کو کہا کہ اس طرح رشوت بند نہ ہوگی بلکہ مسلسل ہو جائے گی۔ میں نے کہا رشوت بند کرنا نہ آفیسران صاحبان کا کام ہے اور نہ یہ قانون اور سزا سے بند ہو سکتی ہے۔ رشوت کا انسداد صرف دل بدلنے سے ہو سکتا ہے۔ تو اصلاح قلب ضروری ہے۔

ارباب اقتدار کا مرض۔

آج کل بڑے بڑے لیڈروں کو اور ارباب اقتدار کو ایک بیماری لاحق ہو گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ علماء کرام کو کہتے ہیں کہ دین اسلام کو دور حاضر سے فٹ کرو۔ (یعنی یورپی معاشرے کے مطابق)

میں نے کہا کہ ان ارباب اقتدار کی بات سمجھ سے باہر ہوتی ہے۔ اگر فٹ کرنے سے یورپی ہنر مراد ہے تو اسلام کو یورپی ہنر سے فٹ کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ فٹ اسے کیا جاتا ہے جو پہلے فٹ نہ ہو۔ اسلام تو ۱۴ سو سال پہلے سے فٹ ہے۔ اللہ نے بتلا دیا تھا کہ تم فٹ ہو جاؤ دشمن کے مقابلے میں۔

واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ من رباط الخیل: کہ تم قوت اور اپنی تمام ضروریات میں اپنی پوری قوت صرف کرو اللہ تعالیٰ نے تو شروع سے فرما دیا کہ اسلحہ، غلہ، بار برداری وغیرہ کسی چیز میں بھی تم دشمنوں سے کم نہ ہو بلکہ ان سے کئی گنا زیادہ تیاری کرو۔ تاکہ تم اللہ اور اپنے دشمنوں کا پوری طرح دفاع کرسکو۔

[illegible] یعنی ہر زمانے کے لحاظ سے ہتھیار بنانے کی [illegible] اور سستی کی معافی نہیں ہوگی۔ تلوار اور گھوڑوں [illegible] تو بم وغیرہ کی صلاحیت رکھنی ہوگی۔

تو قوۃ ایک عالمگیر لفظ فرمایا کہ طاقتور بنانے والی سب چیزوں کا [illegible] فرض ہے اس میں کوتاہی کرنا مسلمانوں کی بربادی ہوگی۔ اور فرمایا ما استطعتم: کہ جتنی طاقت ہو سکے اتنی پیدا کرو۔

اگر ایک مسلمان ملک سالانہ ایک سو بم وغیرہ بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس نے سستی اور غفلت کی وجہ سے ایک کم سو بم وغیرہ بنائے تو قیامت کے دن جوابدہ ہوگا۔ اسی طرح دیگر اشیاء بھی جو مجاہدین یعنی (فوج کی ضرورت کی اشیاء) جس میں کپڑا، جوتے، اشیاء خوردنی وغیرہ مثلاً کسان اگر فی ایکڑ چالیس من گندم اوسط نکال سکتا ہے مگر غفلت کی وجہ سے اس نے فی ایکڑ ایک من کم نکالی تو قیامت میں جوابدہ ہوگا۔ کیونکہ یہ بھی مجاہد کی ضرورت کی چیز ہے۔

اس کے بعد اب بھی تم مولوی کو کہو گے کہ دین کو دور حاضر سے فٹ کرو۔ اگر فٹ کرنے سے مراد یہ ہے کہ نعوذ باللہ، اللہ کو یورپ کے شیطان سے فٹ کرو۔

= تو قرآن کہتا ہے کہ شراب حرام ہے اور یورپ پیتا ہے۔

= قرآن کہتا ہے کہ زنا حرام ہے اور یورپ اسے تفریح قرار دیتا ہے۔

= قرآن کہتا ہے کہ سود حرام ہے مگر سود یورپ کی گھٹی ہے۔

= قرآن کہتا ہے کہ خنزیر حرام ہے مگر یورپ کے عوام تو عوام پادری بھی اسے شوق سے کھاتے ہیں۔

= تو اب تم کہو مولویو! قرآن کو یورپ کے مزاج سے فٹ کرو۔

= سُن لو! مولوی ہزار بار تختۂ دار پر لٹکنا قبول کریگا مگر قرآن میں ردو بدل ہرگز قبول نہیں کرے گا۔

پاکستان کے عیاش ارباب اقتدار کو شرم نہیں آتی کہ ایک تو سامانِ قوت کی تیاری میں غفلت برتی اور دوسرا گناہگاری چاہتے ہیں۔ اگر گناہگاری آگئی تو اس صورت میں پھر بربادی ہی بربادی ہے۔

= اگر معاشرے کی اصلاح چاہتے ہو تو وہ صرف قلب بدلنے سے ہوگی اور کوئی صورت نہیں۔

قرآن پاک نے پہلے قلوب سدھارے۔

قرآن پاک میں دو قسم کی سورتیں ہیں۔

(۱) مکی (۲) مدنی۔

مکی سورتوں میں صرف دل بدلنے کے احکامات ہیں ان میں ذات الٰہی، امورِ الٰہی اور آخرت کا ذکر ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا زیادہ وقت مکی زندگی کا تیرہ سالہ دور صرف قلب کے سدھارنے پر صرف ہوا ہے۔ ہجرت کے بعد چونکہ قلوب بدل چکے تھے (سدھر چکے تھے) تو مدنی زندگی کے کم

وقت میں انسانی صورت میں اللہ کے فرشتے حضرات صحابہ کرام زمین پر پھر رہے تھے۔ دشمن بھی اس کا اقرار کرتے ہیں۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ اگر دل بدل جائے (یعنی قلب سدھر جائے) تو انسان فرشتہ بن جاتا ہے۔

= کیا تمہارے ملک (پاکستان) میں یہ قانون نہیں بنا ہوا کہ رشوت مت کھاؤ؟

= کیا اس کی سزائیں مقرر نہیں؟

= کیا اس کے انسداد کے لیے لاکھوں روپے کے محکمے قائم نہیں؟

تو بتلاؤ رشوت ختم ہوگئی ہے؟ کوئی آفیسر اس لعنت سے بچا ہوا ہے؟

اس سے معلوم ہوا کہ قانون جاری کرنے والے کا قلب سیاہ ہے، بگڑا ہوا ہے۔

= بدبختو! ملک اسلام کے نام پر لیا۔

= کھا بھی اسلام کے نام سے رہے ہو۔

= کرسیاں بھی تمہیں اسلام کے نام سے ملیں۔

= اقتدار بھی تم اسلام کے نام پر لیتے ہو۔

پھر کام بھی اسلام کے خلاف کرتے ہو؟ کوئی شرم ہے! نصاب تعلیم میں اسلام نام کو نہیں۔

درسِ قرآن نہ سنتے ہو اور نہ ان بزرگوں کی صحبت میں بیٹھتے ہو بلکہ جو لوگ دیندار ہیں، دین کی خدمت کر رہے ہیں ان کا مذاق اڑاتے ہو۔ یہی حالت رہی تو بدبختو خدا سے بچ کر کہاں جاؤ گے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ اسمبلی کا اجلاس درسِ قرآن سے شروع ہوتا مگر نہیں۔ بدبختو کھاتے اسلام کے نام پر ہو اور اس کے لیے تمہارے پاس وقت ہی نہیں۔

ہمارے پہلے بھی قرآن سے سدھرے تھے اور اب بھی قرآن سے سدھریں گے۔